بسم الله الرحمن الرحیم

دانشگاه مجازی المصطفی

علمی- تحقیقی ششماہی مجلّہ

انجمن علمی قرآن اور حدیث (اردو)

ذکروفکر

سال دوئم شمارہ ۳ مارچ ۲۰۲۳ (شعبان ۱۴۴۴)

المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی

پیشکش: شعبہ قرآن اور حدیث _ شعبہ تحقیق

سرپرست: ڈاکٹر سعید ارجمند فر

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر جابر محمدی

اڈیٹر: ڈاکٹر سید محمد علی عون نقوی

اجرائی مدیر: عون علی جاڑوی

خط وکتابت: قم، خیابان ساحلی جنوبی، نزد مصلی قدس، پل ۱۹ دی

پوسٹ کوڈ: ۳۷۱۳۹۱۳۵۵۴

ٹلیفون/فکس: ۳۲۱۱۴۱۸۵–۳۲۶۱۳۸۷۵

تعداد: الکٹرانک

تعداد صفحات: ۱۰۹

Web: *mou.ir/ur*

مجلس تحریر

علی محمد نقوی	رکن علمی بورڈ علیگڑھ یونیورسٹی (ہندوستان)
ماہرخ مرزا	چانسلر معین الدین چشتی یونیورسٹی (ہندوستان)
زاہد علی زاہدی	رکن علمی بورڈ کراچی یونیورسٹی (پاکستان)
سید محمد علی عون نقوی	رکن علمی بورڈ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، (ہندوستان)
جابر محمدی	استاد المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی (پاکستان)
عون علی جاڑوی	استاد المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی (پاکستان)
ثروت رضوی	ISI علمی تحقیقی مجلّہ (پاکستان)

ڈپٹی ریسرچ جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ

کی طرف سے

اس مجلّہ کی سطح، طلباء کی علمی انجمنوں سے مختص

<u>علمی جریدہ</u> کے طور پر معین کی گئی ہے۔

اس مجلّہ کے لئے مقالہ لکھنے کے رہنما اصول

۱۔ مقالہ میں درج ذیل موارد کا ہونا ضروری ہے:
عنوان، خلاصہ، کلیدی کلمات، مقدمہ، موضوع کی وضاحت (یعنی تحقیق کا اصلی سوال)، تحقیق کے نظریاتی مبانی (یعنی کلیدی کلمات کی وضاحت)، تحقیق کی روش، مقالہ کی تحریر، نتیجہ گیری، منابع کی فہرست

۲۔ صرف ایسے مقالات کو مجلّہ میں قبول کیا جائے گا جو پہلے کسی بھی جریدے میں نہ چھپے ہوں۔ اور مصنف اس مقالے کو کہیں دوسری جگہ چھاپنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

۳۔ مقالہ میں تحریر شدہ مطالب کی علمی اور حقوقی طور پر تمامتر ذمہ داری خود مصنف پر عائد ہو گی۔

۴۔ مجلّہ کو مکمل حق ہے کہ وہ مقالے کو قبول یا رد کر دے۔

۵۔ مقالہ کو چھاپنے کے بارے میں آخری فیصلہ مجلس ادارت کی سفارشات کے مطابق، چیف ایڈیٹر کو ہوگا۔

۶۔ مقالہ کم از کم ۷ صفحات اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ صفحات پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ (ہر صفحہ = ۲۵۰ الفاظ)

۷۔ اس مجلے کے مطالب کو مصدر کا تذکرہ کرتے ہوئے نقل کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ مقالہ کی تحریر میں "علوی نستعلیق" کا فونٹ سائز ۱۴ استعمال کرنا ہوگا۔

۹۔ آخر میں منابع کی فہرست کو حروف الفباء کی ترتیب سے (حسب ذیل) مرتب کیا جائے گا:
اگر کتاب ہو تو: پہلے مصنف کا خاندانی نام، پھر مصنف کا اصلی نام، (کتاب کے نشر ہونے کا سال) **کتاب کا نام** "بولڈ فونٹ"۔ مترجم کا نام (اگر ترجمہ ہے)، چھاپ کا نمبر، مقام نشر، ناشر۔
اگر مقالہ ہو تو: پہلے مصنف کا خاندانی نام، پھر مصنف کا اصلی نام، (مقالہ کے نشر ہونے کا سال) **مقالے کا نام** "بولڈ فونٹ"۔ جریدے کا نمبر، جریدہ کے صفحوں کی تعداد۔

۱۰۔ خود تحریر میں منابع کے لیے ارجاعات: مصنف کا نام، نشر کا سال، صفحہ نمبر (توجہ رہے: فٹ نوٹ یعنی صفحہ کے نیچے نہیں بلکہ متن کے اندر ہی بریکٹ کے درمیان چھوٹے فونٹ سے لکھا جائے گا)

۱۱۔ صرف خاص موارد جیسا کہ مخصوص الفاظ کی انگش میں معادل اصطلاح، یا الفاظ کی تشریح یا کسی چیز کی اضافی وضاحت کو فٹ نوٹ (اسی صفحے کے نیچے) لایا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ مقالہ نگار کو چاہئے کہ اپنا مقالہ مجلے کی ای میل پر ارسال کرنے کے ساتھ ساتھ، اپنا علمی، اور تحصیلی تعارف بھی ارسال کرے۔

۱۳۔ مقالہ کے چھپنے کے بعد مجلے کا دفتر اس بات کا پابند ہے کہ اس مجلّہ کا ایک الکٹرانک نسخہ مقالہ نگار کو اس کے ای میل پر ارسال کرے۔

۱۴۔ مجلے کا ای میل ایڈریس: zikrofikrmag@gmail.com

فہرست مقالات

اداریہ...۸

قرآن کریم میں "جہاد تبیین" کی ضرورت مقام معظم رہبری کے بیانات کی روشنی میں.............................. ۱۱

عون علی جاروی

تفسیر میں اسرائیلیات کی دخالت اور اس سے بچنے کے طریقہ ۳۱

سید محمد عباس زیدی، غلام جابر محمدی

سورہ مبارکہ الشوریٰ کا اجمالی خاکہ اور اہلبیت علیہم السلام کے مناقب کا بیان ۴۷

سیدہ رباب زہرا سبزواری

تفسیری روایات کے تعارف اور اقسام کا اجمالی جائزہ ۶۱

صنم زہرا ناصر

قرآن کریم میں محکم اور متشابہ کے بارے میں نظریات کا مختصر تحقیقی جائزہ ۷۵

سمانہ عابد

قرآن کریم میں محکم اور متشابہ پر مختصر تحقیق ۸۹

ناظرہ کاظمی

اداریہ

اسلام کو آج کے جدید دور میں متعارف کروانے، معاشرے کو امن و امان کا گہوارہ بنانے اور دینی تہذیب و اسلامی اقدار سے ہم کنار کرانے کے لیے قرآن فہمی اور قرآن شناسی کی اشد ضرورت ہے ،قرآن شناسی درحقیقت خدا شناسی ہے ۔

قرآن شناسی کا راستہ بغیر تحقیق کے ممکن نہیں ہے۔قرآن پروردگار کی جانب سے عطا ہونے والی وہ نعمتِ اکبر ہےجس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے ۔قرآن منشور زندگی اور مکمل ضابطہ حیات ہے جو نہ صرف ہماری دنیوی زندگی کے لیے لازم وضروری ہے بلکہ اس سے تمسک ، حیات بعد از موت کی بہتری کا بھی ضامن ہے۔جدید انداز میں یوں کہہ لیں کہ قرآن حیاتِ انسانی کا آپریٹنگ مینول ہے جس میں وہ تمام ٹولز اور ہدایات موجود ہیں جن کے تحت انسان کو آپ اپنے جسم کی مشینری کو استعمال کرنا چاہیے ۔پروردگار نے خود قرآن پر غور و فکر کی دعوت دی ہے ۔

"ہم نے یہ مبارک کتاب تمہاری طرف اتاری ہے ،تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل سلیم رکھنے والے اس سے روشنی اور رہنمائی حاصل کریں"

ہم اکیسویں صدی کا تقریباً چوتھائی حصہ گزار چکے ہیں ۔انتہائی تیزی کے ساتھ جدید ٹیکنالوجی، نت نئی ایجادات، اور بشریاتی علوم میں نئے موضوعات کا اضافہ ہورہا ہے ۔جدید موضوعات پر نئے سوالات اٹھ رہے ہیں ۔

پروردگار نے ہرشے کو قرآن مبین میں محصور کر دیا ہے ۔دنیا کا ہر خشک و تر قرآن میں ہے ۔ تحقیق کا در کبھی بند نہیں ہوتا۔جدید دور کے مسائل زیادہ گھمبیر اور الجھے ہوئے ہیں ۔قدماء کی تحقیق سے آگے کئی مسئلے ہیں ہردور کے تقاضے اور مسائل جدا ہوتے ہیں ۔اس دور میں قرآن حکیم پر پہلے سے زیادہ غور و فکر اور اس کے مخفی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے ۔گوکہ قرآن حکیم پر تحقیق ہوتی چلی آئی ہے لیکن ہر گزرتے وقت نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن ہر زمانے کے لیے ہے اور تاقیامت باقی رہنے والا کلام ہے۔

قرآن کی سب سے انفرادی اور بڑی صفت یہ ہے کہ یہ دیگر الہامی کتب کے مقابلے میں ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے ۔پروردگار نے اشرف المخلوقات کو عقل سلیم سے نوازا ہے اس تعقل کا اس سے بہتر کوئی استعمال نہیں کہ کتاب خدا پر غور و فکر کیا جائے اور اس میں چھپے رموز و اسرار کو جانا جائے ۔ تحقیق اور تفکر و تدبر کے ذریعے ہی معاشرے کے جمود کو توڑا جا سکتا ہے اور قوانین فطرت کو مسخر کیا جاسکتا ہے ۔

آج کے اس جدید دور میں جبکہ دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے اور ایک ڈیوائس کی صورت میں ایک کائنات انسان کی ہتھیلی پر دھری ہے ۔انگلی کے ہلکے سے اشارے پر ایک جہانِ دیگر کا نظارا ممکن ہے ۔علم حاصل کرنے کے لیے چین نہیں جانا پڑتا بلکہ تمام علوم تک رسائی گھر بیٹھے ممکن ہے تو ان تمام جدید ٹیکنالوجی اور علوم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آج کا نوجوان قرآنیات میں تحقیق کے نئے در کھول کر دنیا کے سامنے اسلامی اقدار اور تہذیب کا روشن چہرہ پیش کرسکتا ہے ۔تہذیب ایک مسلسل عمل اور صدیوں پر محیط ہے جس میں ہر دور اپنا حصہ جوڑتا چلا جاتا ہے ۔وقت کی ضرورت ہے کہ بھرپور توانائی کے ساتھ اپنا حصہ ڈالا جائے ۔اس سلسلے میں ادارے کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ جدید اور نئے قرآنی موضوعات پر تحقیق کی جائے ۔اسلامی تہذیب ایک آفاقی تہذیب اور قرآنی اقدار آفاقی اقدار ہیں جن میں ایک جہان آباد ہے ۔جسے دریافت کرتے رہنے کی ضرورت تاقیامت رہے گی کیونکہ قرآن حکیم قیامت تک کے لیے ہے لہٰذا ہر دور کے اپنے تقاضوں کے مطابق تحقیق کے باب وا ہوتے رہیں گے۔

سرسری تم جہان سے گذرے
ورنہ ہرجا جہان دیگر تھا

قرآن کریم میں "جہاد تبیین" کی ضرورت مقام معظم رہبری کے بیانات کی روشنی میں

تحریر: عون علی جاڑوی

خلاصہ

کچھ عرصے سے مقام معظم رہبری حضرت آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای (حفظہ اللہ) نے گویا ایک نئی اصطلاح کو متعارف فرمایا ہے، جو کم از کم اس سے پہلے اس ترکیب اور اس ساخت کے ساتھ استعمال نہیں ہوئی تھی۔آپ نے تقریباً سات سال پہلے اپریل ۲۰۱۶ء میں "جہاد تبیین" کی اصطلاح کو استعمال فرمایا اور پھر کچھ عرصے کے بعد سنہ ۲۰۲۱ء میں اس کی مزید وضاحت فرمائی اور خاص طور پر ان موارد کو ذکر فرمایا جن میں لوگوں کو آگاہی دینے کی ضرورت ہے۔آپ نے اس پر فتن اور میڈیا کی یلغار سے متاثر دور میں جہاں حقائق کو بالکل مسخ کرکے ان کی تحریف کی جاتی ہے اور بہت ہی آسانی سے ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم دکھا کر پیش کیا جاتا ہے،اس دور میں مسائل اور حقائق کے "بیان" کو جان و مال کے "جہاد" جیسا رتبہ عنایت فرمایا اور اس کو ضروری قرار دیا ہے۔اگرچہ پہلے بھی علماء اسلام کا یہ فرض رہا ہے کہ حقائق کو بیان کرتے رہیں اور ہر زمانے کی تاریکی میں روشن چراغ کی طرح اور گمراہی کے خلاف حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے بولتی زبان بن کر ظاہر ہوں لیکن ایک مجتہد، مرجع دین اور عالمی سطح کی کیاست و فراست اور مسائل پر عبور رکھنے والے قائد و رہبر کی طرف سے اس فرض کو "جہاد" کا رتبہ دینا یقیناً اس فرض کی اہمیت اور حقیقت کو ظاہر فرمارہا ہے کہ موجودہ حالات میں دشمن کی ان منصوبہ بندیوں کو ناکام بنانے کے لیے جہاد کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، بلکہ اس واجب کو ادا کرنے کے لئے دوسرے جہاد کی

طرح قربانی بھی دینی پڑ سکتی ہے؛ ممکن ہے اس جہاد میں بھی اپنی جان کی، مال کی، عزت کی یا پھر اپنی خودساختہ شخصیت کی قربانی دینی پڑے۔البتہ اس جہاد کے مجاہد بھی خاص ہیں، یعنی اہل علم و فضل جو خود اس علم کے ہتھیار سے لیس ہوں اور شک و تردید کا شکار نہ ہوں۔ تو یہاں پر سورہ نساء کی اس آیت کریمہ کے واضح مصادیق نظر آتے ہیں کہ: **وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا**)اللہ تعالی (نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کے ساتھ فضیلت دی ہے۔

خود مقام معظم رہبری (حفظہ اللہ) نے اس اصطلاح کی بنیاد اور اصالت کو مولا امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس کلام سے ماخوذ شدہ قرار دیا ہے جب آنحضرت (ع) نے ضرب کھانے کے بعد حسنین شریفین علیہما السلام کو مخاطب قرار دے کر یوں وصیت فرمائی کہ: »**اللهَ اللهَ فِي الجِهَادِ بِأَموَالِكُم وَ اَنفُسِكُم وَ اَلسِنَتِكُم فِي سَبِيلِ الله**« خدارا، خدارا، جان، مال اور زبان سے راہ خدا میں جہاد کرنے کے بارے میں اللہ کو نہ بھولنا۔

اس تحریر میں ہم نے کوشش کی ہے کہ "جہاد تبیین" کے بارے میں مقام معظم رہبری کی گفتگو اور آپ کے فرمودات کو مد نظر رکھ کر، قرآن کریم اور معصومین علیہم السلام کے ارشادات کی رو سے بیان کیا جائے۔ ہمارا مقصد قرآن کی نازل شدہ تعلیمات کا حوالہ دے کر تبیین کے جہاد کی اہمیت کو سمجھانا اور انبیاء علیہم السلام کے پیغامات کی تکمیل میں تبیین کے کردار کا اظہار کرنا ہے۔

کلیدی کلمات : قرآن کریم، جہاد، تبیین، مقام معظم رہبری، فرض، علماء

حق اور باطل کی پہچان

حضرت آدم ابوالبشر کی خلقت سے لے کر اب تک بلکہ رہتی دنیا تک، ہر دور میں حق و باطل کا آپس میں ٹکراؤ جاری رہا ہے اور یہی محاذ آرائی اللہ تعالی کی آزمائش کا سب سے اہم ترین وسیلہ قرار پائی ہے کہ کون کس محاذ پر کھڑا ہوتا ہے اور کیا حق کا ساتھ دیتا ہے یا پھر باطل کا۔ لیکن اس لڑائی اور محاذ آرائی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ حق اور باطل کا معیار کیا ہے؟ حق و باطل کی پہچان کیسے کی جائے؟ یہ کیسے پہچانیں کہ حق کی کیا خصوصیات ہیں اور اس کے طرفدار کون ہیں؟ یا پھر باطل کیا ہے اور اس کے حامی کون ہیں؟

اللہ تعالی نے اس مہم کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لئے دو اہتمام فرمائے ہیں، پہلے تو "عقل" کو اندرونی اور باطنی "حجت" کے طور پر انسان کو عطا فرمایا اور اس کے علاوہ کسی بھی محتمل بہانے کا سد باب کرنے کے لئے "ظاہری حجت" کے طور پر انبیاء، رسل اور ائمہ علیہم السلام کو بھی مبعوث اور متعین فرمایا۔ اصول کافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے یہ روایت منقول ہے کہ:

يَا هِشَامُ إِنَّ لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجَّتَيْنِ حُجَّةً ظَاهِرَةً وَ حُجَّةً بَاطِنَةً فَأَمَّا الظَّاهِرَةُ فَالرُّسُلُ وَ الْأَنْبِيَاءُ وَ الْأَئِمَّةُ ع وَ أَمَّا الْبَاطِنَةُ فَالْعُقُول

ترجمہ: اے ہشام! اللہ تعالیٰ کے پاس لوگوں پر دو حجتیں ہیں ایک ظاہری حجت اور دوسری حجت جو پوشیدہ ہے۔ ظاہری حجت انبیاء وائمہ ہیں اور باطنی حجت (لوگوں کی) عقلیں ہیں۔ تاکہ کل کے دن

کہنے والے یہ نہ کہیں کہ اے کاش ہمارے لیے کوئی رسول ارسال فرمایا ہوتا تو ہم بھی آپ کی آیات کی پیروی کرتے:

وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَىٰ۔

ترجمہ: اور اگر ہم نے رسول سے پہلے انہیں عذاب کرکے ہلاک کردیا ہوتا تو یہ کہتے پروردگار تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری نشانیوں کا اتباع کرلیتے۔

رہبر معظم نے نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کے ایک حصے کا حوالہ دیتے ہوئے انبیاء الہی کو تبیین کے بانیوں میں سے قرار دیا ہے، جہاں پر ارشاد ہو رہا ہے:

فَبَعَثَ فِيهِمْ رُسُلَهُ وَ وَاتَرَ إِلَيْهِمْ أَنْبِيَاءَهُ لِيَسْتَأْدُوهُمْ مِيثَاقَ فِطْرَتِهِ وَ يُذَكِّرُوهُمْ مَنْسِيَّ نِعْمَتِهِ وَ يَحْتَجُّوا عَلَيْهِمْ بِالتَّبْلِيغِ وَ يُثِيرُوا لَهُمْ دَفَائِنَ الْعُقُولِ

ترجمہ: اللہ نے ان میں اپنے رسول مبعوث کیے اور لگاتار انبیاء بھیجے تاکہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کرائیں۔ اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائی اور انہیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ "تبیین" ان کا اہم ترین فریضہ تھا۔ آپ کی نظر میں، اللہ تعالی کے آخری نبی یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دعوت اسلام کے آغاز میں مشکلات کے باوجود اپنی باتوں کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے وضاحت پیش فرمائی تھی۔ اسی طرح آپ کی نظر میں حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کی اہم خصوصیت اپنے اقدامات کی وضاحت کرنا اور ان پر

روشنی ڈالنا تھی جو نہج البلاغہ کے خطبات اور خطوط میں نظر آتی ہے۔آپ کے نظریے کے مطابق شیعہ ائمہ علیہم السلام کی طرف سے جہاد اور جدوجہد کا سلسلہ پورے ۲۵۰ سالہ دور میں مختلف شکلوں میں جاری رہااور اس کا مقصد خالص اسلام اور قرآن کی صحیح تفسیر اور امامت کے مسئلہ کی وضاحت کرنا تھا۔ مقام معظم رہبری نے کوفہ اور شام میں عاشورہ کے حقائق کو بیان کرنے کے لئے حضرت زینب (س) کی جدوجہد کو جہاد تیین کے دیگر نمونوں کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ان کا خیال ہے کہ رسول اللہ (ص) کے بعض اصحاب جیسے عمار یاسر نے بھی جنگ صفین کے دوران حقائق پر روشنی ڈالی اور ان کو بیان فرمایا۔آیت اللہ خامنہ ای (حفظہ اللہ) نے امام خمینی (رح)، شہید مدنی، شہید مطہری اور شہید بہشتی جیسے لوگوں کا تذکرہ بھی جہاد تبیین کرنے والے مجاہدوں کے نمونوں کے طور پر کیا اور ان کا خیال ہے کہ انہوں نے مذہبی اور دینی حقائق کی تبیین فرمائی ہے۔

قرآن کے مطابق پیغمبر کے مشن کی حقیقت کو بیان کرنا ہر مسلمان اور مومن کا فرض ہے۔ کیونکہ وضاحت کے بغیر دوسروں کے سامنے سچائی کی نشاندہی کرنااور جھوٹ کی برائی کو واضح اور آشکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی آیات تبیین کے الٰہی کام کا واضح طور پر تذکرہ کرتی ہیں اور اسے قرآن کی نازل شدہ تعلیمات کی بنیاد پر ایک " عظیم علمی جدوجہد " کہا جاتا ہے۔

جہاد تبیین، علمی جہاد کا موقع

قرآن کریم کے مطابق جہاد تبیین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا الٰہی فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "بیان" عطا فرمایا ہے جو "بینونت" یعنی فاصلے اور

جدائی کا سبب بنتا ہے۔ یہ علیحدگی حروف، الفاظ اور جملوں کے ساتھ ساتھ مواد اور نام وغیرہ میں ظاہر ہوتی ہے تاکہ سچائی کا اظہار مزید فصیح انداز میں کیا جاسکے اور اپنے افکار اور نظریات کو دوسروں تک پہنچایا جاسکے۔

قرآن کریم کے مطابق قرآن کی مقدس کتاب بذات خود "تبیین" کی خصوصیت رکھتی ہے۔ اسی لیے اسے "تبیان" کہا جاتا ہے جہاں ارشاد ہو رہا ہے:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ

ترجمہ: اور قیامت کے دن ہم ہر گروہ کے خلاف ان ہی میں کا ایک گواہ اٹھائیں گے اور پیغمبر آپ کو ان سب کا گواہ بنا کر لے آئیں گے اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے اور یہ کتاب اطاعت گزاروں کے لئے ہدایت, رحمت اور بشارت ہے۔ قرآن کی نازل شدہ تعلیمات کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیان کی جانے والی تفسیر اختلافات کو مٹانے اور لوگوں پر حق کے آشکار ہونے کا سبب بنتی ہے:

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ آپ ان مسائل کی وضاحت کر دیں جن میں یہ اختلاف کئے ہوئے ہیں اور یہ کتاب صاحبان ایمان کے لئے مجسمۂ ہدایت اور رحمت ہے۔

نیز، قرآن ہر چیز کا بیان ہونے کے ناطے سوچ کا ذریعہ بن سکتا ہے تاکہ لوگ صحیح اور غلط کی پہچان کر سکیں اور زندگی میں صحیح راستے پر چل سکیں۔ کیونکہ قرآن بذات خود الگ کرنے والی بینات ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر الذکر (قرآن مجید) اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کے لئے (وہ معارف واحکام) کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کئے گئے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

فرقان، حق و باطل کی تمیز

قرآن کے ناموں میں سے ایک نام "فرقان" ہے۔ قرآن میں ارشاد ہو رہا ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

ترجمہ: بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے (خاص) بندہ پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ وہ تمام جہانوں کیلئے ڈرانے والا بن جائے۔ اور فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ

ترجمہ: ماہ رمضان وہ (مقدس) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں راہنمائی اور حق و باطل میں امتیاز کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح دوسری آیت میں ملتا ہے:

مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ

ترجمہ: اور اسی نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات و انجیل نازل کی۔ اور (حق و باطل کا) فیصلہ کن کلام نازل کیا۔

یہ نام یعنی "فرقان" اس لیے رکھا گیا ہے کہ قرآن میں ایسی آیات بھی موجود ہیں جو صحیح اور غلط کو الگ کرتی ہیں۔ اسی طرح قرآن مومنوں اور مسلمانوں کو صحیح اور غلط میں تفریق کرنے کا طریقہ بھی سکھاتا ہے، یوں مسلمان عینی اور ملموس اسی طرح تاریخی مصادیق کو دیکھتے ہی نہ صرف صحیح اور غلط کو الگ کرنے کا طریقہ سیکھ سکتے ہیں، بلکہ حق و باطل کو عینی طور پر پہچان کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ تشخیص اور تفریق کرنے کی طاقت مومنین اور مسلمانوں کو تشبیہات اور فتنوں کے جال میں پھنسنے نہیں دے گی بلکہ مسلمان لوگ فتنوں اور تشبیہات کے جال کو درست طریقے سے پہچان کر اور اس سے گزر کر "محکمات" سے متمسک ہوں گے۔ اور یقین کے ساتھ کمال کی طرف بڑھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان نہ صرف صحیح اور غلط کے تصور کو سمجھتے ہیں بلکہ اس کی ٹھوس مثالوں کو بھی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ قرآن صرف ایک علمی کتاب نہیں بلکہ ایک ایسی کتاب ہے جو "بصیرت" دیتی ہے اور بصیرت پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم انسان کے تزکیہ اور پاکیزگی کا سبب بنتا ہے اور اس کی تعلیمات ایسی ہیں کہ اس سے بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا جو شخص ایسی تعلیمات حاصل کرتا ہے وہ بصیرت سے فائدہ اٹھاتا ہے جو اسے صحیح اور غلط کو الگ کرنے کے قابل بناتا ہے۔ یہ صلاحیت وحی اور الہام کے ذریعے ہی انسان کی مدد کو پہنچتی ہے۔

قرآن مجید کے مطابق بعض تاریخی واقعات مثال کے طور پر جنگ بدر اور جنگ احد اور ان جیسے دوسرے تاریخی واقعات حق و باطل میں تفریق کا بہترین زمانہ ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ دونوں محاذ کھلے عام ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔

إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

ترجمہ: اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے والے دن نازل کی تھی جس دن (مسلمانوں اور کافروں کی) دو جمعیتوں میں مڈ بھیڑ ہوئی تھی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا ایسے مواقع میں جو بھی جس طرف کھڑا ہو گا وہ اسی جماعت کے ساتھ محشور ہو گا۔ ایسے واقعات تاریخ میں بہت ہیں جہاں پر واضح طور پر حق اور باطل ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تاکہ ان پر حجت خدا تمام ہو جائے جیسا کہ معرکہ کربلا میں بالکل عیان طور پر حق و باطل میں تصادم ہوا۔

البتہ آخرت میں یہ وضوح اور تفریق دائمی ہو گی کیونکہ بنیادی طور پر خود آخرت فرقان کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ ہر فرد اپنے زمرے میں اور اپنے پیشوا کے ساتھ کھڑا ہو گا:

يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ

ترجمہ: اس دن (کو یاد کرو) جب ہم (ہر دور کے) تمام انسانوں کو انکے امام (پیشوا) کے ساتھ بلائیں گے۔ یوں حق و باطل کا محاذ بالکل الگ ہو جائے گا، لیکن دنیا کے حالات ہمیشہ ایسے نہیں رہتے۔ کیونکہ مسلسل فتنوں کے دور میں چیزیں اس قدر گھل مل جاتی ہیں کہ بہت سے لوگ پہچان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، خواہ ان کے پاس تفریق کرنے کی کسوٹی اور معیار موجود ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ جنگ صفین میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ فرقان کے حصول کے لیے صرف علم رکھنا کافی نہیں

ہے، علم اگرچہ اہم اور ضروری ہے، لیکن یہ کافی نہیں ہے، بلکہ علم کے علاوہ انسان کے پاس اس تفریق کرنے کی استعداد اور جداگانہ صلاحیت ہونی چاہیے، جو کہ صرف الہی تقویٰ اور الہی بصیرت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ سورہ اعراف میں ارشاد رب العزت ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ

ترجمہ: جو لوگ پرہیزگار ہیں جب انہیں کوئی شیطانی خیال چھو بھی جائے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں اور یادِ الہی میں لگ جاتے ہیں اور ان کی بصیرت تازہ ہو جاتی ہے (اور حقیقتِ حال کو دیکھنے لگتے ہیں)۔

البتہ یہ جاننا چاہیے کہ قرآن کے مطابق تمام آسمانی کتابوں میں "فرقان" کی خصوصیت موجود ہے۔ کیونکہ یہ کتابیں خدا کی طرف سے حق و باطل کو الگ کرنے کے اصولوں اور معیارات کو بیان کرنے، اور خالص کو ناخالص سے پہچان کرانے اور حق و باطل کی ٹھوس مثالیں فراہم کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ۝ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ

ترجمہ: اسی نے آپ پر حق کے ساتھ وہ کتاب اتاری ہے جو اس سے پہلے موجود (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اسی نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے توراۃ و انجیل نازل کی۔ اور

(حق و باطل کا) فیصلہ کن کلام نازل کیا۔ بلاشبہ جو لوگ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے۔ خدا زبردست ہے (اور برائی کا) بدلہ لینے والا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ

ترجمہ: بے شک ہم نے موسیٰ وہارون کو فرقان، روشنی اور پرہیزگاروں کیلئے نصیحت نامہ عطا کیا۔ قرآن کے مطابق، تمام مقدس کتابوں میں "فرقان" ہونے کی خصوصیت موجود ہے۔ کیونکہ یہ سب صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہیں۔

جہاد تبیین کے مجاہد

قرآن کے مطابق تبیین کا فریضہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہیں ہے بلکہ ایک عظیم علمی جہاد کے طور پر یہ سب کا فرض ہے۔ یقیناً یہ ذمہ داری جاہلوں سے پہلے اہل علم کی ہو گی۔ یعنی علمائے کرام پر منحصر ہے کہ وہ جاہلوں کو حقائق سے روشناس کرائیں اور انہیں تبیین کے جہاد کے ذریعے حق کی راہ پر ڈالیں۔ کیونکہ جاہل حق اور باطل کو نہیں جانتا اور نہ ہی الگ کر سکتا ہے۔ اسی لیے پچھلی امتوں میں اس وضاحت کو ایک خدائی ذمہ داری اور فرض کے طور پر اہل کتاب کے کندھوں پر ڈال دیا گیا جو اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے علماء سے ایک الٰہی عہد و پیمان اور میثاق کے طور پر اس پر عمل کرنے کو کہا۔ اگرچہ اہل کتاب کے علما نے اس کے خلاف عمل کیا اور بیان کرنے سے انکار کیا اور دنیوی فائدے کے لیے تبیین کرنے اور

حقائق کو واضح کرنے سے اجتناب کیا تاکہ تشابہات کے باقی رہتے ہوئے ان میں سے اپنے دنیاوی فواید کو حاصل کر سکیں۔

وإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ۔

ترجمہ: (اے رسول (ص)) وہ وقت یاد کرو۔ جب خدا نے اہل کتاب سے عہد و پیمان لیا تھا کہ تم اسے ضرور لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کروگے۔ اور اسے ہر گز نہیں چھپاؤگے مگر انہوں نے اسے اپنے پس پشت ڈال دیا۔ اور اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کرلی۔ کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

لہٰذا، اگر آج اسلامی علماء نے اپنے خدائی عہد کو پورا نہیں کیا تو انہوں نے ایک برا سودا کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے غضب کو خریدا ہے۔

قرآن کریم کے مطابق دشمن کے ساتھ کسی بھی لڑائی اور تصادم کا پہلا قدم قرآن کے اصولوں، طریقوں، بنیادوں اور تصورات پر مبنی تبیین کا جہاد ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاد کے الٰہی فریضہ کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا

ترجمہ: اور وہ وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملا دیا ہے یہ شیریں و خوشگوار ہے اور یہ سخت کھاری و تلخ ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک حد فاصل اور مضبوط رکاوٹ بنا دی ہے۔

لہٰذا، قرآن کریم کی نظر میں، اگر فوجی جہاد اور ان جیسے دوسرے مالی اور جسمانی جہاد، جہاد اصغر اور صغیر ہیں؛ تو قرآنی تعلیمات اور اصولوں کی بنا پر "علمی جہاد" ایک عظیم جہاد ہے۔ کیونکہ اصولی طور پر، صحیح و غلط اور حق و باطل کی وضاحت اور بیان کیے بغیر، دوسرے جہادوں کی انسان ساز تاثیر متوقع ہی نہیں ہو سکتی اور وہ خدائی مقاصد کو پورا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالی کا مقصد بنی نوع انسان کو جہاد کے ذریعے نابود کرنا نہیں بلکہ انسان پر رحم کرنا ہے۔

إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ

ترجمہ: سوائے اس کے جس پر آپ کا پروردگار رحم فرمائے اور اسی (رحمت) کے لئے تو ان کو پیدا کیا ہے۔ اور انسان کو ایسی جہنم میں گرنے سے بچانا ہے، جو فی الواقع انسانی روح میں کمالی صفات کے فقدان کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس کے مقابلے میں جنت میں داخل ہونے والا شخص الٰہی صفات کے نور سے سکون و آرام میں ہوگا۔

عظیم "علمی جہاد" جو تبیین اور بصیرت کو بڑھانے کی صورت میں انجام پاتا ہے، محکمات کی بنا پر انجام دیا جاتا ہے جس میں کسی قسم کے شکوک و شبہات کی گنجائش نہیں ہوتی۔ بلاشبہ ایسے احکام قرآن کی آیات الٰہی میں پائے جاتے ہیں، جس طرح سورہ فرقان کی آیت نمبر ۵۲ اور سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۷ میں موجود ہے۔ اسی لیے خدا نے قرآن کو فرقان کہا ہے۔ کیونکہ اس میں وہ محکم آیات موجود ہیں جو انسان کو صحیح اور غلط میں تمیز کرنے میں مدد دے سکتی ہیں۔

جہادِ تبیین، جو کہ قرآن کی نازل شدہ تعلیمات پر مبنی ایک علمی ثقافتی جہاد ہے، لوگوں کو فتنہ کے حالات میں صحیح طریقے سے اپنا راستہ تلاش کرنے اور فتنہ و فساد سے بچنے کا سبب بن سکتا ہے۔ معاملات میں شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔

مقام معظم رہبری کی نظر میں، جہاد تبیین کا ایک اہم رکن "تحریف" کا سد باب کرنا ہے۔ یعنی تاریخی حقائق کو مسخ کرنے سے روکنا، جیسے ایران میں پہلوی دور حکومت کی تطہیر کی کوشش کی جا رہی ہے۔آپ "مکالمے اور ڈائیلاگ"، یعنی لوگوں کے درمیان مشترکہ سوچ کی تشکیل اور ان کی عوامی مانگ کو برقرار رکھنا، اسی طرح حکومت کے لئے "عوامی حمایت" یعنی سماجی امور میں عوام کی حمایت کو اسی "جہاد تبیین" کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔آپ کا ماننا ہے کہ جہاد تبیین کے ذریعے "مسائل کا حل" یعنی عوام کے مسائل اور مشکلات کا حل، دانشوروں، علماء اور اہل ثقافت و ادب کے ذریعے صحیح وقت پر منطقی وضاحت سے ممکن ہے۔

قرآن کریم تبیین کے جہاد کو تمام شعبوں میں استعمال کرنے کی سفارش فرماتا ہے تاکہ کوئی شخص بھی متشابہ آیات یا فتنوں یا اس جیسی چیزوں کی وجہ سے راہ حق سے بھٹک نہ جائے۔یہی وجہ ہے کہ خاص طور پر فاسد اور شریر میڈیا سے خبروں اور اطلاعات کو سننے کے بعد "تبین" اور سچائی کو تلاش کرنے پر تاکید فرماتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِين

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو لاعلمی میں نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔

ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ ہر خبر اور افواہ کی توثیق کے لئے سماج کی قیادت اور تجزیاتی اور تبیین کے مراکز سے رابطہ کرنے کے لئے حکم دیا گیا ہے تاکہ سچائی سے وضاحت ہو سکے۔ لہٰذا ان منافقین کی طرح عمل نہیں کرنا چاہئے جو فتنہ پھیلانے کی غرض سے کسی بھی تصدیق و توثیق کے بغیر غیر موثق اور غیر معتبر خبریں پھیلاتے ہیں۔ اس سلسلے میں رب کریم کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا

ترجمہ: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو اسے پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اولی الامر کی طرف لوٹاتے تو (حقیقت کو) وہ لوگ جان لیتے جو استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو چند آدمیوں کے سوا باقی شیطان کی پیروی کرنے لگ جاتے۔

قرآن کے مطابق اسلامی معاشرے میں کسی بھی معاملے میں فیصلہ سازی کے اہم ذرائع اور مراکز سے رجوع کرنا، ولایت کو قبول کرنے کی علامت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص فتنہ کے

جال میں نہیں پھنسنا چاہتا اور نہ ہی ظالموں اور فتنہ پھیلانے والوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ جبکہ منافقین اور ان کے لوگ اس عمل کے خلاف کام کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو ہر چیز میں فتنہ و فتور اور متشابہات پسند ہیں تاکہ اپنی مرضی سے اس کی تفسیر کرکے لوگوں کو گمراہ بناتے رہیں۔:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا

ترجمہ: اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں (فرمان روائی کے حقدار ہیں)۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع (یا جھگڑا) ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پلٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے روز پر ایمان رکھتے ہو تو یہ طریقہ کار تمہارے لئے اچھا ہے اور انجام کے اعتبار سے عمدہ ہے۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔ (اس کے باوجود) وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف رجوع کریں۔ (غیر شرعی عدالت میں مقدمہ لے جائیں) حالانکہ انہیں اس کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر گمراہی میں بہت دور لے جائے۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس کی طرف جو

اللہ نے اتارا ہے (قرآن) اور آ ؤ رسول (سنت) کی طرف تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے بڑی سخت رو گردانی کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق، اندرونی اور بیرونی دشمن اسلام کی قیادت اور دین کو ناکارہ دکھانا چاہتے ہیں، کوتاہیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا چاہتے ہیں، کامیابیوں کو نظر انداز کرنا چاہتے ہیں، اور لوگوں میں مایوسی پھیلانا چاہتے ہیں، تاکہ معاشرے میں اس بات کو پھیلایا جائے کہ دین اور مذہب حکومت نہیں کر سکتا۔

خدا مومنوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ شک کی بنیاد پر کوئی کام نہ کریں جیسا کہ کافر اور مشرک کرتے ہیں :

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ

ترجمہ: لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان حق کی پہچان اور اس تک رسائی حاصل کرنے میں کچھ فائدہ نہیں دیتا (اور نہ ہی یہ حق و یقین سے بے نیاز کرتا ہے) بے شک اللہ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ لوگ کر رہے ہیں۔ اور کسی ایسی چیز میں بھی داخل نہ ہوں جس کا انہیں علم نہ ہو۔ بلکہ رک جاؤ:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

ترجمہ: اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے نہ پڑو یقیناً کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں (تم سے) بازپرس کی جائے گی۔

جب کوئی شخص کوئی کلمہ کہے تو اسے اتنا ثابت قدم ہونا چاہیے کہ اس میں کوئی شک و شبہہ نہ ہو اور اس کا تعین صرف علم کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو اور درستی و راستی کی بات کہا کرو۔

لہٰذا جس طرح مومن قیاس پر مبنی یا غیر علمی باتیں نہیں کرتا اسی طرح اسے اپنی وضاحت اور تبیین میں بھی مضبوطی اور استقامت کے ساتھ بات کرنی چاہیے تاکہ باطل اور باطل کی جڑیں خشک ہو جائیں۔

قرآن کے مطابق، "جہاد تبیین" میں پیغمبر اکرم (ص) کا الٰہی مقصد، بصیرت عطا کرنا اور بصیرت میں اضافہ کرنا ہے، تاکہ لوگوں کو صراط مستقیم پر ڈال دیا جائے اور وہ رضاکارانہ بندگی اور عبادت کرنے کے ذریعے سے ان کمالات تک پہنچ جائیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ارشاد ربوبی ہو رہا ہے کہ:

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

ترجمہ: (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے! کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اور جو میرا (حقیقی) پیروکار ہے ہم اللہ کی طرف بلاتے ہیں اس حال میں کہ ہم واضح دلیل پر ہیں اور اللہ ہر نقص و عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

منابع اور مآخذ

۱. قرآن کریم
۲. قرآن کریم کا اردو ترجمہ، علامہ محمد حسین نجفی
۳. قرآن کریم کا اردو ترجمہ، علامہ ذیشان حیدر جوادی
۴. نہج البلاغہ کا اردو ترجمہ، علامہ مفتی جعفر حسین
۵. نہج البلاغہ، صبحی صالح
۶. اصول کافی، کلینی
۷. جہاد تبیین، خلیل منصوری
۸. جہاد تبیین، محمد صالح میرزایی
۹. خامنہ ای ڈاٹ آی آر (سائیٹ)
۱۰. لیڈر ڈاٹ آی آر (سائیٹ)
۱۱. ویکی شیعہ (سائیٹ)
۱۲. ویکی فقہ (سائیٹ)

تفسیر میں اسرائیلیات کی دخالت اور اس سے بچنے کے طریقہ

از قلم: سید محمد عباس زیدی[1]

استاد: ڈاکٹر جابر محمدی

خلاصہ

اسرائیلیات کی ابتداء نو مسلم یہودی جو تورات کے بڑے عالم تھے جنہوں نے ماسبق دین میں جو قصص الانبیاء مشہور تھے وہ مسلمانوں کو سنایا کرتے تھے جن کی وجہ سے اسرائیلیات کا آغاز ہوا۔اسرائیلیات کا منبع و مخرج حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داودؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت یونسؑ، حضرت ایوبؑ وغیرہ جو قرآن میں مذکور ہیں ان واقعات کی چھوٹی چھوٹی آیتوں کے ضمن میں اہل کتاب کے بیان کردہ واقعات کی تفصیل سے ہمارے مفسرین نے روایت کئے۔اسرائیلیات کی تین اقسام ، قرآن و سنت، اسرائیلی روایات کا حوالہ ،تورات کے احکام جیسے نکات پر بحث کی گئی ہے۔اسرائیلیات کا مدار چار راویوں ، عبداللہ بن سلام ، کعب احبار، وہب بن منبہ اور عبدالملک بن عبد العزیز بن جریج پر ہے اور اسرائیلیات سے بچنے کا طریقہ جس میں علوم تفسیر کا جاننا کہ تفسیر کس نہج پر کی جائے اور اسرائیلیات تفاسیر میں داخل نہ ہو سکیں۔ تفسیری روایات میں اسرائیلیات کے بارے میں علامہ طباطبائی کا نظریہ کہ جس میں انہوں نے تفسیر کی روش جو قرآن سے قرآن کی تفسیر اور رسول اکرم ﷺ اور ائمہ معصومینؑ کی روش اختیار کرکے اسرائیلیات کی دخالت سے بچنا بیان کیا ہے۔

---

[1] ۱۔ایم فل، فورتھ سمسٹر، المصطفی ورچوئل یونیورسٹی ایران

بنیادی کلمات: اسرائیلیات، طریقہ، تفسیر، قرآن کریم

تمہید

تفسیر میں اسرائیلیات کی دخالت اور اس سے بچنے کے طریقہ پر المصطفےٰ وچوئل یونیورسٹی کی جانب سے تحقیق کے لئے کہا گیا ہے اس حوالے سے تفسیر میں اسرائیلیات کا آغاز نو مسلم یہودیوں نے اپنے سابق دین میں جو قصہ ہائے انبیاء تھے ان کو اصحاب میں پیش کیا کرتے تھے جن کی وجہ سے بعد میں مسلمانوں میں اسرائیلیات داخل ہوئیں اور انہوں نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں اور رفتہ رفتہ یہ روایات کا حصہ بن گئیں اور سند کی حیثیت سے تفسیر قرآن میں مفسرین نے ان جعلی رویات کا حوالہ دینا شروع کر دیا جس کی وجہ سے قرآن کی تفسیر بالرائے آج ہمارے سامنے ہے اسی موضوع پر بحث کریں گے کہ ان اسرائیلیات سے کیسے بچا جاسکتا ہے اور ان کا تفسیر قرآن میں کیا کردار ہے اور اس سے متعلقہ موضوعات کو مختصر طور پر بیان کا جائے گا۔

مقالے میں جن عناوین کو زیر بحث لایا جائے گا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اسرائیلیات کی ابتداء اور ان کا رواج۔

۲۔ اسرائیلیات کا منبع و مخرج۔

۳۔ بنی اسرائیل اور ان کا کردار۔

۴۔ اسرائیلیات کا حکم۔

۵۔ اسرائیلیات کی اقسام۔

۶۔اسرائیلیات کا مرکز و محور۔

۷۔ تفسیری روایات کی اہمیت اور اعتبار۔

۸۔علوم تفسیر کا جاننا۔

۹۔اسرائیلیات سے بچنے کا طریقہ۔

۱۰۔علامہ طباطبائی کا نظریہ۔

اسرائیلیات کی ابتداء اور ان کا رواج

بعض صحابہ کرام اپنے ذوق و سلیقے اور جذبہ دینی کے تحت اہل کتاب سے انبیاء کرام کے ان واقعات کی تفصیل جاننا چاہتے تھے جنہیں قرآن نے اجمالی طور پر بیان کیا ہے۔ وہ لوگ توریت کے بڑے عالم تھے ،اسرائیلی روایات سے واقف تھے ، ان انبیاء کے سلسلے میں یہودیوں میں جو قصے مشہور تھے ان کو بیان کر دیا کرتے تھے ، لیکن نہ پوچھنے والوں کو ان کی صداقت پر یقین تھا اور نہ سنانے والے کا ایمان ان پر تھا۔ اسلام لانے کے بعد ، صحابہ کرام نے بعد میں آنے والے لوگوں کے سامنے ان قصوں کو بطور تذکرہ بیان کر دیا پھر ان لوگوں نے دوسروں کے سامنے اسی نیت سے اس کو بیان کر دیا اسی طرح یہ روایت چل پڑی اور دوسری صدی اور تیسری صدی میں فن تفسیر ، ابواب حدیث سے نکل کر مستقل فن قرار پایا اور اس فن میں کتابیں لکھی گئیں تو یہی قصے صحابہ ،تابعین، تبع تابعین کی روایتوں کے نام سے کتابوں میں جمع کر دیئے گئے اور جن لوگوں کو عجائب و

غرائب اور محیر العقول قصوں سے دلچسپی تھی انہوں نے تلاش کرکے اپنی کتابوں میں درج کر دیا اور علمی حیثیت سے ان روایتوں پر تنقید نہیں کی گئی اور نہ ہی

اس کی صحت و عدم صحت پر کلام کیا گیا۔ یہ کام بہت بعد میں چھٹی اور ساتویں صدی میں کہیں جا کر باقاعدہ شروع ہوا جب بہت دیر ہو چکی تھی۔ ان روایتوں کو اسلامی عقائد و اصول کی کسوٹی پر پرکھا گیا اور کھرے کھوٹے کو جدا جدا کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔[1]

اسرائیلیات کا منبع و مخرج:

حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت داود، حضرت سلیمان، حضرت الیاس، حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ وغیرہ پر تفصیلی اور اجمالی واقعات قرآن مجید میں مذکور ہیں ان واقعات کی چھوٹی چھوٹی آیتوں کے ضمن میں اہل کتاب کے بیان کردہ واقعات کی تفصیل سے ہمارے مفسرین نے دس دس صفحے سیاہ کیے جن میں بہت سی ایسی روایتیں ہیں جو صراحتا اسلامی تعلیمات کی روح سے اور تصریحات کے خلاف ہیں، بہت سے واقعات اور قصے خلاف فطرت، خلاف عقل اور خلاف تجربہ و مشاہدہ ہیں ایسے ہی بے سند اور بے بنیاد قصوں کو اسلامی اصطلاح میں اسرائیلی روایت یا اسرائیلیات کہا جاتا ہے۔ یہ روایتیں اسلامی روایتیں نہیں ہیں بلکہ ان کا منبع و مخرج حقیقت میں قوم یہود ہے۔[2]

۱۔ اسرائیلی روایات مولانا محمد نظام اسیر اردوی ص ۳۴

۲۔ ایضا، ص ۳۵

بنی اسرائیل اور ان کا کردار:

حضرت ابراہیم خلیلؑ کے فرزند اسحٰقؑ کے بعد ان کے فرزند یعقوبؑ ہوئے جو اسرائیل کہلائے عبرانی میں "ایل" کی لفظ اللہ کے لئے آتی ہے اور اسی وجہ سے ملائکہ کے ناموں میں یہ لفظ آتا ہے جیسے جبرائیل، عزرائیل ،اسرافیل وغیرہ اس طرح کی اضافت نکلتی ہے جیسے عبداللہ، قدرۃ اللہ وغیرہ اسراء کے معنی قوۃ کے تھے اور اس طرح اسرائیل کے معنی ہوئے اللہ کی قوت اس لقب کے ساتھ انکا تعارف بطور نسبت اظہار شرف کے لئے ہوسکتا ہے جیسے آدم کے لئے صفی اللہ، شیست کے ہبۃ اللہ وغیرہ القاب ہیں لیکن اس لقب کے ساہ ملقب ہونے کی تقریب کے طور پر مروجہ توریت میں ایک خرافتی حکایت درج ہے جس ہیں یعقوبؑ کا خدا کے ساتھ کشتی لڑنا مذکور ہے۔ یہ حکایت بالکل بے بنیاد اور یہود کی اختراع کردہ ہے جو جلال الہی کے بالکل خلاف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علمائے اہل کتاب زراز را سے نفع کی خاطر احکام الٰہیہ میں تحریف کرتے تھے تو ان کے عمل کی جو حقیقی صورت تھی اس کی رکاکت اور پستی دکھانے کے لئے یہ الفاظ صرف کئے گئے یہ آیات الٰہیہ پر عمل میں جو بلند مفاد وابستہ ہے اس لحاظ سے اس کے مقابلہ میں جو بڑی سے بڑی قیمت بھی وہ حاصل کریں گے (ثمن قلیل) ہوگی۔ آخر میں (فاتقون) کا مطلب یہ کہ اگر تم اپنے اس طرز عمل پر قائم رہوگے تو پھر تمھارے لئے میرے عذاب کا استحقاق یقینی ہے اب اگر کرسکتے ہو تو اس سے بچاؤ کی فکر کرلو۔[1]

۱۔ فصل الخطاب جلد اول علامہ علی نقی نقوی ص ۲۰۶/۲۰۷/۲۰۸

اسرائیلیات کا حکم:

اسرائیلیات ان روایتوں کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عسیائیوں کے ذیل میں ہر قسم کی وہ روایات لکھ دیتے تھے جو انہیں سند کے ساتھ پہنچی تھیں، ان میں بہت سی رولیتں اسرائیلیات بھی ہوتی تھیں اس لئے ان کی حقیقت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔

اسرائیلیات کی تین قسمیں:

ا۔ وہ روایات جن کی سچائی قرآن وسنت دوسرے دلائل سے ثابت ہے، مثلا فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر تشریف لے جانا وغیرہ۔

۲۔ وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلا اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنی آخری عمر میں (معاذاللہ) مرتد ہوگئے تھے۔اس کی تردید قرآن کریم سے ثابت ہے کہ:

"مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا (۲/۱۔۲)

ترجمہ: اور سلیمان کافر نہیں ہوئے بلکہ کاشیاطین نے کفر کیا۔

اسی طرح مثلا اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ (معاذاللہ) حضرت داودؑ نے اپنے سپہ سالار اوریا کی بیوی سے زنا کیا، اسے مختلف تدبیروں سے مرواکر اس کی بیوی سے نکاح کیا یہ بھی کھلا جھوٹ ہے اور اس قسم کی روایتوں کو غلط سمجھنا لازمی ہے۔

۳۔ وہ روایات جن کے بارے میں قرآن و سنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں، جیسے کہ توریت کے احکام وغیرہ، ایسی روایات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے نہ کہ ان کی تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب البتہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کو نقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (ابن کثیر نے قول فصیل یہ بیان کیا ہے کہ انہیں نقل کرنا تو جائز ہے، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں ہے)[1]

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے نہایت اختصار کے ساتھ مگر جامع بات لکھی ہے کہ تفسیر میں اسرائیلی روایتوں کو بیان کرنا دراصل یہ بھی ایک سازش ہے جبکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو لہٰذا اس قاعدہ کی بنیاد پر دو باتیں ضروری ہیں۔

ا۔ جب حدیث میں قرآن کریم کے اشارہ کی تفصیل موجود ہو تو اسرائیلی روایات کو تفسیر میں نقل نہیں کرنا چاہیئے۔

۲۔ قرآن میں جس واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہو اس کی تفصیل کی ضرورت کے بقدر ہی بیان کرنی چاہیئے تاکہ قرآن کریم کی گواہی سے ان کی تصدیق ہو کیونکہ یہ بھی قاعدہ ہے ضروری بات بقدر مانی جاتی ہے۔[2]

ا۔ مقدمہ ابن کثیر (معارف القرآن جلد اول مفتی محمد شفیع ص ۵۲/۵۳

۲۔ الفوز الکبیر مع شرح الخیر الکثیر ۲۵۳) ؛http://raahedaleel.blogspot.com/2012/09/blog-post_2006.html

اسرائیلی روایات کا مرکز و محور

تفسیر بالماثور پر مشتمل کتب تفسیر سے یہ حقیقت عیاں ہوئی ہے کہ اسرائیلی روایات کا مدار و انحصار زیادہ تر ذیل چار راویوں پر ہے۔

(۱) عبداللہ بن سلام (۲) کعب احبار (۳) وہب بن منبہ (۴) عبدالملک عبدالعزیز بن جریج۔[۱]

تفسیری روایات کی اہمیت اور اعتبار:

مسلمان مفسرین کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ ابلاغ وحی کے علاوہ کلام خدا کی تفسیر تبیین اور شرح کے بھی ذمہ دار تھے اپنی اس رائے کے لئے سورہ نحل کی آیات ۴۴/۶۴ سے استدلال قائم کرتے ہیں۔اس بناء پر شیعہ اور سنی مفسرین کا یہ عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ سے منسوب تفسیری روایات یا کلمات کی صحت ثابت ہونے کی صورت میں یہ تفسر کی ایک بہترین اور محکم ترین روش ہے۔اہل تشیع نے حدیث ثقلین سے استدلال کرتے ہوئے آئمہ علیہم السلام کی روایات کو بھی تفسیر روائی کے منابع میں سے قرار دیا ہے۔ تفسیری روایات کی اہمیت کے باوجود مفسرین کے نزدیک مذکورہ احادیث کے ضمن میں جعلی روایات موجود ہیں جنہیں کسی نہ کسی صحابی کے مقام و منزلت کے بڑھانے اور گھٹانے کے لئے جعل کیا گیا۔ سورہ توبہ کی آیت ۱۱۳ کے لئے شان نزول کا جعل ان موارد میں سے ایک ہے اور اہل سنت مفسر طبری اور بخاری نے بھی اسے جعلی قرار دیا ہے مذکورہ شان نزول کی بنیاد پر سورہ توبہ ۱۱۳ کو امام علیؑ کے والد گرامی حضرت ابو طالب کے بارے بتایا گیا کہ ان کی موت کے وقت نازل ہوئی اور عمر کے آخری لمحات تک ان کے شرک پر باقی رہنے کو بیان کر

۱۔تاریخ تفسیر و مفسرین غلام احمد حریری ص ۱۰۳

رہی ہے۔ جبکہ بخاری اور طبری کے نزدیک ابوطالب ہجرت سے تین سال قبل وفات پا چکے تھے ۔جبکہ یہ آیت سن نو ہجری کو نازل ہوئی ہے اس قسم کی جعلی رویات کہ جن میں اکثر و بیشتر نو مسلم یہودیوں کے توسط سے جعل کی گئی ہیں۔[1] ()

تفسیر میں اسرائیلی روایات سے بچنے کا طریقہ:

☆علوم تفسیر اور تفسیری روایات کا جاننا:

غرض و غایت: **التمیز بین الصحیح والغلط با الاعتصام بالعروۃ الوثقی:**

ترجمہ: یعنی صیح اور غلط کے درمیان فرق کرنا۔ یا دین متین پر پابندی سے عمل کرنا۔

اقسام تفسیر (تفسیر کے ماخذ): اہل سنت والجماعت کے نزدیک تفسیر کی دو قسمیں ہیں۔

(ایف) تفسیر بالماثور: قرآن کریم کی آیات اگر قرآن و حدیث یا صحابہ کرام و تابعین کے اقوال سے کی جائے تو ایسی تفسیر بالماثور (منقول) کہا جاتا ہے اس کی درجہ ذیل قسمیں ہیں۔

ا۔ تفسیر القرآن بالقرآن: یہ تفسیر قرآن کا اولین ماخذ ہے اس کا مطلب قرآن مجید کے بعض آیات کی تفسیر بعض آیات کریمہ کے حوالے سے کرنا (القرآن یفسر بعضہ بعضا) کی روح سے قرآن کریم کی بعض آیات میں جو احتمال واقع ہوتی ہے تو دیگر آیات میں ان کی تفصیل ہوتی ہے۔ جیسے

ا۔ ویکیپیڈیا آزاد دائرہ المعارف

(اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ)[1] کی تفسیر قرآن کریم میں اس طرح ہے:

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ۔[2]

۲۔ تفسیر القرآن بالحدیث والسنہ:

یہ علوم تفسیر کے جاننے اور سمجھنے کا دوسرا ماخذ ہے۔ اس سے مراد قرآن کریم کی تفسیر احادیث نبوی کے حوالے سے کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری رہی قرآن مجید کی تفسیر اور وضاحت کرے اور امت کو پہچانا ہے۔

ارشاد باری ہے: إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا۔[3]

۳۔ تفسیر القرآن باثار الصحابہ:

صحابہ کرام چونکہ تعلیم القرآن کے شیدائی تھے ان کو نبہ کریم ﷺ سے تلمذ حاصل تھا، اور آپ ﷺ سے بلاواسطہ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں اور جو کچھ سیکھ لیتے ان پر عمل کرتے۔

۴۔ تفسیر القران باثار التابعین:

---

۱ ۔ سورہ فاتحہ ۶/۱

۲ ۔ سورہ آل عمران ۵۱/۳

۳ ۔ سورہ النساء ۱۰۵/۴

تفسیر قرآن کا چوتھا ماخذ تابعین کے اقوال ہیں تابعین وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کی حالت میں صحابی سے ملاقات کی ہو۔ تابعین نے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا۔ ان کے اقوال میں اختلاف پایا جات ہے۔

۵۔ تفسیر القرآن با قوال المشائخ:

تفسیر القرآن جاننے اور سمجھنے کا پانچواں ماخذ مشائخ اور فقہاکے اقوال ہیں۔ فقہا مندرجہ بالا چار مصادر کی روشنی میں وقت کے تقاضے اور انسانی فہم کے مطابق قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔

(ب) تفسیر بالرائے:

اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جو عقل واجتہاد اور فکر و نظر کی بنیاد پر لکھی گئی ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک تفسیر بالرائے مکمل طور پر ناجائز اور حرام ہے۔[1]

تفسیر بالرائے جب اصول شرع کے بطابق ہو تو مستحسن اور محمود ہے اور جب اصول شرع کے مخالف ہو تو مردود اور مذموم۔ اسی وجہ سے اس کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

ا۔ تفسیر بالرائے محمود:

یہ تفسیر بالرائے کی جائز قسم ہے۔ اس قسم کی تفاسیر، فقہ، بلاغت، صرف و نحو اور علم کلام پر مشتمل ہوتی ہے۔

ا۔ الخیر الکثیر فی مقدمۃ التفسیر مولانا نور الہادی شاہ منصوری ص ۳۰/۲۹/۲۸

۲۔ تفسیر بالرائے مذموم:

یہ تفسیر بالرائے کی ناجائز اور مذموم قسم ہے اس قسم کی تفاسیر میں رطب و یابس کی پرواکئے بغیر اوراق سیاہ کئے جاتے ہیں۔

۳۔ تفسیر اشاری: یہ ایسی تفسیر ہے جس میں ظاہر کے خلاف خفیہ اشارات کی روشنی میں قرآن کریم کی شرح کی جائے جو ارباب تصوف و سلوک کے ذہنی و قلب پر منکشف ہوتے ہیں اور ان کو لدنی طور پر عطا کی جاتی ہے۔ مگر قرآن کریم کی ظاہری معنی کا انکار نہ کیا جائے۔ یہ تفسر بالرائے جائز اور مقبول قسم ہے۔ مگر اس شرط پر کہ خفیہ اشارات آیت کریمہ کے معنی و مطالب سے ہم آہنگ اور مناسب ہو، متصادم نہ اس کی تائید میں شرعی دلیل موجود ہو۔ [۱]

علامہ طباطبائی کا نظریہ اسرائیلیات کی دخالت سے بچنے کا طریقہ:

علامہ فرماتے ہیں چونکہ روایات میں اصلی و جعلی سب مخلوط ہو چکی ہیں اس لئے ان میں کوئی بھی قابل اعتبار نہیں اور انہیں احکام و قوانین کی اصل و اساس قرار نہیں دیا جاسکتا البتہ صرف اسی حدیث و روایات کو قابل سمجھا جاسکتا ہے جو کتاب الہی قرآن مجید سے مطابقت رکھتی ہو اور جہاں تک قرآن کا تعلق ہے تو اس کی تفسیر میں قدیم مذاہب اور آراء و نظریات کو بنیاد نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ وہ سب عقلی استدلال پر استوار ہیں جبکہ موجودہ ترقی یافتہ دنیا میں علم نے حس و تجربہ کی بنیاد پر عقلی استدلال کو غلط و نادرست ثابت کر دیا ہے لہٰذا ہم قرآن کی تفسیر اس انداز و مسلک کے ساتھ کریں جو خود قرآن نے بتایا ہے۔ سوائے ان موارد کے جہاں ہمارے علوم نے وضاحت کر دی

۱۔ الخیر الکثیر فی مقدمۃ التفسیر مولانا نور الہادی شاہ منصوری ص ۳۱

ہے۔ یعنی قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ و اصول کے بجائے ہم اپنے علوم کی روشنی میں تفسیر کریں۔ان حضرات کے نظریات و افکار کی بنیاد کہ جسے انہوں نے اپنے صریح و واضح بیانات میں خود ذکر کیا ہے یا ان کے بیانات کی روشنی میں ضمنی طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ ہر چیز کی اصل بنیاد حس و تجربہ کو اصل قرار دینا ہے۔ان حضرات نے جو اعتراض سابقہ مفسرین پر کیا ہے ان کا طریقہ تفسیر نادرست تھا کیونکہ وہ تفسیر کے بجائے " تطبیق " کا عمل تھا تو یہی اعتراض بعینہٖ خود ان پر کیا جاسکتا ہے ان کا طریقہ تفسیر نادرست تھا۔ تفسیر کے بجائے " تطبیق " ہے یہ اور بات ہے کہ انہوں نے خود تفسیر قرآن کے صحیح طریقہ و روش اور اسلوب کے بارے میں اس امر کی وضاحت کردی کہ تفسیر القرآن بالقرآن یعنی قرآن سے قرآن کی تفسیر کرنا حقیقی معنی میں تفسیر ہے۔

تفسیر قرآن کی دو صورتیں ہیں:

اپنی فکر و نظر کو بنیاد قرار دے کر بحث کریں اور یوں جس مسئلہ کو کسی آیت میں ذکر کیا گیا ہے سب سے پہلے علمی و فلسفیانہ بحث کرکے اس کی اصل حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور جب اس کا معنی و مفہوم سمجھ میں آجائے تو آیت کو اس پر محمول کریں اور یہ کہیں کہ آیت بھی اس مطلب کو بیان کرتی ہے (جو ہم نے سمجھا) یہ طریقہ اگرچہ فکر و نظر اور علمی بحث و تحقیق کے حوالے سے نہایت پسندیدہ ہے لیکن قرآن اس سے ہرگز اتفاق نہیں کرتا، جیسا کہ سابق مطالب سے سمجھ چکے ہیں کہ قرآن مجید سے اس طریقہ کی تائید نہیں ہوئی۔

ا۔ قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعہ کریں اور وہ اس طرح کہ کسی آیت کے معنی کو سمجھنے کے لئے اس جیسی دوسری آیات میں غور و فکر کرنے اور تفکر وتدبر کرکے اس طریقہ وروش کو اپنائیں جو قرآن مجید میں مورد توجہ قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے کہ:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ [1]

ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی جو کہ ہر چیز کا واضح بیان ہے۔

اس آیت مبارکہ میں قرآن کو ہر شیز کا واضح بیان یا ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کہا گیا ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ خود ہر چیز کا واضح کرنے والا ہو لیکن خود ہی اپنی وضاحت نہ کرسکے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ۔ [2]

ترجمہ: وہ لوگوں کے لئے ہادی و رہنما ہے اور ہدایت کی واضح نشانیاں اور حق و باطل کے درمیان فرق کو واضح کرنے والا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ [3] ()

ترجمہ: جو لوگ ہماری بابت کوشش کریں ہم ضرور انہیں اپنے راستوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

ا۔ سورہ نحل/۸۹

۲۔ سورہ بقرہ/۱۸۵

۳۔ سورہ عنکبوت/۶۹

۲۔ دوسرا طریقہ حضرت محمد ﷺ اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے اپنایا اس سلسلے میں متعدد روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیغمبر ﷺ اور ائمہ علیہم السلام نے تفسیر قرآن کی بابت اسی روش کو اختیار کیا۔[۱]

تفسیر روائی، تفسیر ماثور یا تفسیر نقلی: تفسیر قرآن کی ایک روش ہے جس میں تفسیری روایات سے استفادہ کیا جاتا ہے شیعہ تفاسیر میں پیغمبر ﷺ اور ائمہ علیہم السلام کی احادیث کو پیش نظر قرار دیتے ہیں، شیعہ مفسرین کے نزدیک پیغمبر ﷺ اور ائمہ معصومینؑ سے منسوب روایات کے ذریعہ قرآن کریم کی تفسیر و تبیین، تفسیر کی بہترین اور محکم روش ہے۔اس کے باوجود جعلی روایات بھی تفسیری احادیث کے ضمن میں نقل کی گئی ہیں جن میں یہ تفاسیر ہیں۔

تفسیر عیاشی اور تفسر قمی شیعہ روائی تفاسیر کا نمونہ ہیں جبکہ جامع البیان ، تفسیر ابن کثیر اور الدرالمنثور اہل سنت کی روائی تفاسیر کا نمونہ ہیں معاصر قرآنی محقق محمد ہادی معرفت کے بقول اسلامی دنیا کے اہم ترین تفسیری آثار اوائل میں تفسیری روایات پر تالیف کیے گئے ہیں۔[۲]

نتیجہ

تفسیر میں اسرائیلیات کی دخالت سے بچنے کے لئے جس روش پر تفسیر المیزان محمد حسین طباطبائی نے تحریر کی وہ قرآن سے قرآن کی تفسیر ہے جس میں کسی آیت کے معنی سمجھنے کے لئے اس جیسی دوسری آیات میں غور و فکر اور تفکر و تدبر کے اس طریقہ و روش کو اپنائیں جو خود قرآن میں

[۱]۔ تفسیر المیزان جلد اول آیت اللہ محمد حسین طباطبائی ص ۴۰/۳۹

[۲]۔ ویکیپیڈیا آزاد دائرہ المعارف

موجود ہے اس کے علاوہ رسول اکرم ﷺ اور ائمہ معصومینؑ نے جس طریقہ سے تفسیر قرآن کی روش اختیار کی وہی روش اگر اختیار کی جائے تو تفسیر میں اسرائیلیات سے بچا جاسکتا ہے جو روایات کو پیغمبر اسلام ﷺ اور ائمہ علیہم السلام سے منقول ہیں انہی روایات سے تفسیر قرآن میں استفادہ کیا جائے یا ان تفاسیر سے استفادہ کیا جائے جو اس روش پر ہیں جو رسول اکرم ﷺ اور ائمہ معصومینؑ نے اپنے ادوار میں بتائی یا ان سے قرآن کی تفسیر فرمائی ہے۔

مصادر

قرآن مجید

۱. اسرائیلی روایات مولانا محمد نظام اسیر اردوی ص ۳۴

۲. فصل الخطاب جلد اول علامہ علی نقی نقوی ص ۲۰۶/۲۰۷/۲۰۸۲۔

۳. مقدمہ ابن کثیر (معارف القرآن جلد اول مفتی محمد شفیع ص ۵۲/۵۳

۴. الفوز الکبیر مع شرح الخیر الکثیر ۶۵

۵. تاریخ تفسیر و مفسرین غلام احمد حریری ص ۱۰۳

۶. ویکیپیڈیا آزاد دائرہ المعارف

۷. الخیر لکثیر فی مقدمۃ التفسیر مولانا نور الہادی شاہ منصوری ص ۲۸/۲۹/۳۱

۸. تفسیر المیزان جلد اول آیت اللہ محمد حسین طباطبائی ص ۳۹/۴۰

۹. تفسیر روائی ویکیپیڈیا آزاد دائر المعاف

سورہ مبارکہ الشوریٰ کا اجمالی خاکہ اور اہلبیت علیہم السلام کے مناقب کا بیان

از قلم : سیدہ رباب زہرا سبزواری[1]

خلاصہ :

اس مختصر تحریر میں سورہ مبارکہ شوری کی چند آیات کو زیر بحث لایا گیا ہے جس میں آیات کے بعض کلیدی مفاہیم کی وضاحت دینے کے بعد آیہ مودت جو کہ اہل سنت واہل تشیع کے مفسرین کے نزدیک حضرت رسول گرامی اسلامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب کو بیان کرتی ہے اس بارے میں بعض اہم مطالب کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے ،اگرچہ اس موضوع پر تفاسیر قرآن میں مفسرین نے بہت تفصیلی مباحث بیان کیے ہیں لیکن ہم نے یہاں سب مفسرین کے نقطہ نظر کو نقل نہیں کیا اور صرف اختصار کو ہی پیش نظر رکھتے ہوئے اس آیت کے بارے میں کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے اس کے علاوہ ایک اجمالی نگاہ تمام سورہ شوری کے مطالب پر ڈالنے کی کوشش کی ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس سورہ کی کیا خصوصیات ہیں ،امید ہے کہ یہ تحریر ہم سب کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

بنیادی کلمات : سورہ شوری ،اہلبیت ، مناقب ، مودت ،اہل سنت ، تشیع ، مفسرین

تمہید

سورہ شوری قرآن کی ۴۲ ویں اور مکی سورتوں میں سے ہے جو ۲۵ ویں پارے میں موجود ہے۔اس سورہ کی آیت نمبر ۳۸ میں لفظ " شوری " کا استعمال کرتے ہوئے ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کو

۱۔ایم۔ فل تفسیر وعلوم قرآن ،المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی، قم ،ایران

مؤمنین کی صفات میں شمار کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس سورہ کا نام "شوری" رکھا گیا ہے۔ سورہ شوری کا اصل موضوع وحی ہے لیکن اس کے علاوہ توحید، معاد اور مومنین اور کفار کے صفات جیسے موضوعات پر بھی اس سورہ میں بحث کی گئی ہے۔

اس سورہ کی آیت نمبر ۲۳ آیت مودت کے نام سے مشہور ہے۔ آیت نمیر ۳۸ میں مومنین کو ایک دوسرے کے ساتھ مشورہ کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ اسی طرح آیت نمبر ۴۰ کو فقہاء، قصاص کی مشروعت میں مورد استناد قرار دیتے ہیں۔ اس مختصر تحقیق میں جن موضوعات کو زیر بحث لایا جائے گا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

آیات کی تعداد و خصوصیات

مفاہیم کی شناخت

بعض آیات کی شان نزول

اھل بیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب

آیہ مودت پر سوال

مختصر جواب

مال دنیا کی تمنا

آیت مشاورت

آیات الاحکام

انبیاء علیہم السلام پر وحی

سورہ کی فضیلت و خواص

آیات کی تعداد اور دوسری خصوصیات

سورہ شوری ۵۳ آیات، ۸۶۰ کلمات اور ۳۵۲۱ حروف پر مشتمل ہے۔ بعض قراء کے مطابق اس کی آیتوں کی تعداد ۵۰ جبکہ بعض کے نزدیک ان کی تعدد ۵۶ ہیں۔ یہ سورہ "حا میم" سے شروع ہونے والی سورتوں میں تیسری اور حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں میں ۲۳ویں سورہ ہے۔ حجم کے اعتبار سے اس کا شمار سور مثانی میں ہوتا ہے اور قرآن کے ایک حزب سے کچھ زیادہ ہے۔

مفاہیم کی شناخت

سورہ شوری کا اصلی موضوع وحی ہے۔دین کی تبلیغ اور لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے میں رسول خدا(ص) کو صبر واستقامت کی تلقین، تمام آسمانی ادیان کا ایک ہونا اور دین میں اختلاف اور تفرقہ بازی سے ممانعت، دوسروں سے درگزر کرنا اور اپنے غصے پر قابو پانا اس سورہ کے دوسرے موضوعات میں سے ہیں۔ سورہ شوری میں توحید، معاد، توبہ اور خدا کی طرف سے توبہ قبول کرنے نیز سماجی اور حکومتی امور میں ایک دوسرے سے مشورہ اور تعاون کرنے کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

بعض آیات کی شأن نزول

اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب

"...قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ...؛

ترجمہ: آپ (ص) کہیے کہ میں تم سے اس (تبلیغ و رسالت) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا سوائے اپنے قرابتداروں کی محبت کے "

اس آیت کی شأن نزول کے بارے میں ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ: مدینہ تشریف لانے کے بعد بعض واقعات کی بنا پر پیغمبر اسلامؐ فقر و تنگدستی کا شکار ہوئے اس موقع پر انصار میں سے بعض لوگوں نے کچھ مال جمع کرکے آپ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ اس طرح آپ کی مالی معاونت ہو سکے۔ اس موقع پر سورہ شوری کی آیت نمبر ۲۳ نازل ہوئی اور اجر رسالت کی جگہ آپ کے قرابت داروں سے مودت کرنے کا حکم دیا گیا۔

ابوالفتوح رازی نے بھی قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مکہ والوں کے اس بات کے جواب میں نازل ہوئی جب انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ محمدؐ اپنی رسالت کو جاری رکھنے کیلئے اجرت لینا چاہتا ہے۔

تفصیلی مضمون، آیت مودت:

"ذَٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ (۲۳)"

ترجمہ: یہ وہ بات ہے جس کی خوشخبری خدا اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بھی کئے آپ (ص) کہیے کہ میں تم سے اس (تبلیغ و رسالت) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا سوائے اپنے قرابتداروں کی محبت کے اور جو کوئی نیک کام کرے گا ہم اسکی نیکی میں اضافہ کردیں گے یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا (اور) بڑا قدردان ہے۔

اس آیت میں مودت اہل بیتؑ کو پیغمبر اسلامؐ کی رسالت کی اجرت قرار دیا گیا ہے. علامہ طباطبایی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ قرآن میں بار بار اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اپنی رسالت کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتے سوائے اپنی دعوت کے قبول کرنے کے؛

لیکن اس آیت میں خداوند متعال نے خود پیغمبر اکرمؐ کی رسالت کیلئے اجرت تعیین کی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس آیت میں اجرت کا طلب کرنا بھی دوسری آیتوں کی مانند رسالت کو قبول کرنے کے بعد ہے نہ یہ کہ دوسری آیتوں کے مقابلے میں ہو۔

نقل ہوا ہے کہ جب واقعہ کربلا کے بعد امام سجاد علیہ السلام اسیر ہو کر شام پہنچے تو ایک شخص نے آپ کی بے احترامی کی جس کی جواب میں آپ نے سورہ شوری کی ۲۳ویں آیت کی تلاوت فرمائی۔

سوال کیا جاتا ہے کہ :

سورہ شوری کی آیت نمبر ۲۳ میں لفظ "القربی" سے کیوں اہل بیت کا مراد استنباط کرتے ہیں؟

ایک مختصر جواب:

ہر کلام اور جملہ میں اگر بولنے والے کی مراد، اس جملہ یا اس میں استعمال کیے گئے الفاظ سے معلوم نہ ہوتی ہو تو، ان قرینوں کی تلاش کرنی چاہیئے جو اس کلام سے بولنے والے کی مراد واضح کریں۔اور سورہ شوری کی آیت نمبر ۲۳

قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کے سلسلہ میں چند قرائن اور علامتیں موجود ہیں جو ہمیں لفظ "القربی" سے خداوند متعال کی حقیقی مراد کو حاصل کرنے میں مدد کرتی ہیں :

۱) اہل لغت کے مطابق لفظ "القربی" کی معنی نسبی رشتہ دار اور اقرباء ہیں اور قرآن مجید میں بھی موضوع سوال، آیت کے علاوہ یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔آیہ مودت کے علاوہ دوسری آیات میں اس لفظ کے ساتھ ۔، "ذی" یا "ذوی" اور یا "اولی" کے الفاظ اضافہ کئے گئے ہیں۔اس اضافہ کے باوجود اس کا مفہوم "ذوی القربی" یعنی رشتہ دار ہے اور اسی لئے محققین نے زیر بحث آیت میں لفظ "اہل" اور یا "ذوی" و... کو زیر نظر رکھا ھے۔

لہٰذا ہم اس تفسیر کو قبول نہیں کر سکتے ہیں، جس میں "القربی" کے معنی قرب الہی یا دوسرے کوئی معنی بتائے گئے ھوں۔

۲) بعض قرائن اس امر کے شاہد ہیں کہ آیت میں رشتہ داروں سے مراد پیغمبر اسلام (ص) کے رشتہ دار ہیں اور آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اجر رسالت کے عنوان سے اپنے رشتہ داروں سے محبت کرے۔

۳) فعل "لا اسئلکم" کا ذکر اس بات کی علامت ہے کہ "القربیٰ" سے مراد سائل کے اقرباء ہیں اور یہ منسوب الیہ کو معین کرنے کے طریقہ سے صاحب قرابت کا تعین ہے، اس کے مانند سورہ توبہ کی آیت ۱۱۳اور سورہ حشر کی آیت نمبر ۷ ہے۔

۴) اجر رسالت کے سلسلہ میں نازل ہونے والی آیات پر غور کرنے سے، ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ:

"القربیٰ" سے مراد اہل بیت پیغمبر (ص) ہیں، کیونکہ قرآن مجید نے ایک طرف اجر رسالت کو پیغمبر اسلام (ص) اور دوسرے انبیاء سے طلب کرنے کی نفی کی ھے اور دوسری طرف پیغمبر اکرم (ص) کے بارے میں فرمایا ہے: میں آپ سے کوئی اجر نہیں چاہتا ہوں مگر میرے رشتہ داروں کی دوستی اور تیسری جانب پیغمبر (ص) کی دعوت کو قبول کرنا اور خدا کی راہ کو انتخاب کرنا اجر رسالت کے عنوان سے بیان ہوا ہے اور چوتھی جانب خداوند متعال نے اپنے پیغمبر (ص) سے چاہا ہے کہ لوگوں کو بتادے کہ: "جو اجر میں نے تم سے چاہا ہے صرف تمہارے فائدہ میں ہے، میرا اجر خداوند متعال پر ہے۔" ان آیات کو آپس میں ربط دینے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ: ذوالقربیٰ، خدا کی راہ ہے اور اس راہ الٰہی کی پیروی کرنا لوگوں کے فائدہ میں ہے اور ان کی اطاعت کرنا، دعوت الٰہی کو قبول کرنے کا واضح مصداق ہے۔

مال دنیا کی تمنا

خباب بن ارت کی نقل کے مطابق سورہ شوری کی آیت نمبر ۲۷

"وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ"۔

ترجمہ: اور اگر خدا اپنے تمام بندوں کی روزی کشادہ کر دیتا تو وہ زمین میں بغاوت پھیلا دیتے اور وہ بندوں کے حالات کو جاننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بنی نضیر اور بنی قریظہ کے اموال کی تمنا رکھتے تھے۔ اسی طرح ابو عثمان مؤذن نے عمرو بن حریث سے نقل کی ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی جو دنیاوی مال و دولت کی تمنا کرتے تھے۔

"آیت مشاورت"

تفصیلی مضمون: آیت مشاورت

سورہ مبارکہ الشوریٰ کی ۳۸ نویں آیت میں ارشاد ربانی ہوتا ہے:

"وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ."

ترجمہ: اور جو اپنے پروردگار کے حکم کو مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے (تمام) کام باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے وہ اس سے خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں مؤمنین کی بعض صفات من جملہ اقامہ نماز، کاموں میں ایک دوسرے سے مشاورت کرنا اور خدا کی راہ انفاق کرنے کو دعوت رسالت کے قبول کرنے کے مصادیق میں شمار کیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ سے منقول ایک حدیث میں مشاورت کرنے کو خیر اور ہدایت تک پہنچنے کے راستوں میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔

"آیات الاحکام":

سورہ شوری کی ۴۰ویں آیت:

"وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۖ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ"

ترجمہ: اور برائی کا بدلہ تو ویسے ہی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے۔

اس آیت کو "آیات الاحکام" اور "قصاص" اور "مقابلہ بمثل" کے دلائل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں مذکور عفو و در گزر کو صرف اور صرف اس وقت جائز قرار دیتے ہیں جب ظالم اپنے کام سے توبہ اور پشیمانی کا اظہار کرے ورنہ عفو و در گزر ظالم کو مزید جسور بنا دے گا۔

"انبیاء پر وحی"

سورہ شوری کی ۵۱ویں آیت:

"وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ۔

ترجمہ: اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجے اور اس کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے۔ بیشک وہ بزرگ و برتر (اور) بڑا حکمت والا ہے۔)

یہودیوں کے جواب میں نازل ہوئی ہے جو پیغمبر اسلامؐ پر ایمان نہ لانے کی یہ دلیل دیتے تھے کہ پیغمبر اسلامؐ نے خدا کو نہیں دیکھا ہے۔ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ خدا کے ساتھ انسانوں کی گفتگو کا صرف وحی یا پس پردے یا فرشتوں کو بھیجنے کے ذریعے امکان ہے۔

سورہ کی فضیلت اور خواص

سورہ شوری کی فضیلت میں پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے فرشتے اس پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور ان کے حق میں استغفار اور طلب رحمت کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں امام صادقؑ سے یوں منقول ہے: "جو شخص سورہ شوری کی تلاوت کرے تو وہ قیامت کے دن سورج کی طرح چمکتے ہوئی چہرے کے ساتھ محشور ہوگا اس وقت خدا کیبارگاہ سے ندا آئے گی: میرے بندے! تم نے سورہ حم عسق کی تلاوت پر مداومت کی حالانکہ اس کے ثواب سے آگاہ نہیں تھے؛ لیکن اگر تم اس کے ثواب سے آگاہ ہوتے تو اس کی تلاوت سے کبھی نہیں تھکتے؛ آج میں تمہیں اس کا اجر دوں گا؛ اس کے بعد خدا اس شخص کو بہشت میں لے جانے اور خدا کی خاص نعمتوں سے سرفراز کرنے کا حکم دے گا۔"

اس سورہ کے خواص کے بارے میں بھی احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص اس سورہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو یہ شخص لوگوں کی شر سے محفوظ رہے گا۔

نتیجہ:

۱۔سورہ مبارکہ الشوریٰ قرآن مجید کی ۴۲ویں نمبر کی مکی سورہ ہے۔جو قرآن مجید کے پارہ نمبر ۲۵ میں موجود ہے۔

۲۔سورہ شوری ۵۳ آیات، ۸۶۰ کلمات اور ۳۵۲۱ حروف پر مشتمل ہے۔ بعض قراء کے مطابق اس کی آیتوں کی تعداد ۵۰ جبکہ بعض کے نزدیك ان کی تعدد ۵۶ ہیں۔ یہ سورہ "حامیم" سے شروع ہونے والی سورتوں میں تیسری اور حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں میں ۲۳ویں سورہ ہے۔ حجم کے اعتبار سے اس کا شمار سور مثانی میں ہوتا ہے اور قرآن کے ایك حزب سے کچھ زیادہ ہے۔

۳۔سورہ مبارکہ الشوریٰ کا اصل موضوع وحی الٰھی ہے۔دین کی تبلیغ اور لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر واستقامت کی تلقین، تمام آسمانی ادیان کا ایک ہونا اور دین میں اختلاف اور تفرقہ بازی سے ممانعت، دوسروں سے در گزر کرنا اور اپنے غصے پر قابو پانا اس سورہ کے دوسرے موضوعات ہیں۔

۴۔بعض مشہور آیات میں:

الف) :آیہ مودت جو کہ ۲۳ نمبر کی آیت ہے۔ (اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی۔)۔

ب) مال دنیا کی تمنا پر آیت نمبر ۲۷.

ج) :آیت مشاورت ۳۸ نمبر کی آیت

د) آیات الاحکام آیت نمبر ۴۰ ھ) انبیاء علیہم السلام پر وحی الھی کے سلسلے میں آیہ نمبر ۵۱ شامل ہیں۔

۵-سورہ مبارکہ الشوریٰ کے فضیلت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق :اس سورہ کے تلاوت کرنے والے پر فرشتے درود وسلام بھیجتے ہیں اور انکے حق میں استغفار اور طلب رحمت کرتے ہیں۔

۶-امام صادقؑ سے یوں منقول ہے: "جو شخص سورہ شوری کی تلاوت کرے تو وہ قیامت کے دن سورج کی طرح چمکتے ہوئی چہرے کے ساتھ محشور ہوگا اس وقت خدا کی بارگاہ سے ندا آئے گی: میرے بندے! تم نے سورہ حم عسق کی تلاوت پر مداومت کی حالانکہ اس کے ثواب سے آگاہ نہیں تھے؛ لیکن اگر تم اس کے ثواب سے آگاہ ہوتے تو اس کی تلاوت سے کبھی نہیں تھکتے؛آج میں تمہیں اس کا اجر دوں گا؛اس کے بعد خدا اس شخص کو بہشت میں لے جانے اور خدا کی خاص نعمتوں سے سرفراز کرنے کا حکم دے گا۔"

حوالہ جات:

۱. مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ۱۳۷۱ش، ج۲۰، ص ۳۴۳۔

۲. خرمشاہی، «سورہ شوری»، ج۲، ص۱۲۴۹۔

۳. صفوی، «سورہ شوری»، ص۶۴۷۔

۴. روح بخش، دانشنامہ سورہ ہای قرآنی، ۱۳۸۹ش، ص۲۶۹۔

۵. طباطبایی، المیزان، ۱۳۹۰ق، ج۱۸، ص۶۔

۶. خرمشاہی، «سورہ شوری»، ج۲، ص۱۲۴۹۔

۷. صفوی، «سورہ شوری»، ص۶۴۷۔

۸. طباطبایی، المیزان، ۱۳۹۰ق، ج۱۸، ص۶۔

۹. ۔ خامہ گر، محمد، ساختار سورہ ہای قرآن کریم، تہیہ مؤسسہ فرہنگی قرآن و عترت نورالثقلین، قم، نشر نشرا، چ۱، ۱۳۹۲ش.

۱۰. واحدی، اسباب نزول القرآن، ۱۴۱۱ق، ص۳۸۹.

۱۱. ابوالفتوح رازی، روض الجنان و روح الجنان، ۱۳۷۸ش، ج۱۷، ص۱۲۱.

۱۲. واحدی، اسباب نزول القرآن، ۱۴۱۱ق، ص ۳۹۰.

۱۳. سورہ سبأ، آیہ ۴۸، سورہ انعام، آیہ ۹۰، سورہ یوسف، آیہ ۱۰۴

۱۴. طباطبایی، المیزان، ۱۳۹۰ق، ج۱۸، ص ۴۳.

۱۵. سیوطی، الدر المنثور، ۱۴۰۴ق، ج۶، ص۷.

۱۶. طباطبایی، المیزان، ۱۳۹۰ق، ج۱۸، ص ۶۳ .
۱۷. حویزی، نور الثقلین، ۱۴۱۵ق، ج ۴، ص ۵۸۴ .
۱۸. اردبیلی، زبدۃ البیان، مکتبہ المرتضویہ، ص۴۶۷ .
۱۹. صادقی تہرانی، الفرقان، ۱۴۰۶ق، ج۲۶، ص۲۳۷ .
۲۰. مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ۱۳۷۱ش، ج۲۰، ص۴۶۶ .
۲۱. ابوالفتوح رازی، روض الجنان وروح الجنان، ۱۳۷۸ش، ج۱۷، ص۹۶ .
۲۲. مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ۱۳۸۲ش، ج۲۰، ص ۳۴۴ .
۲۳. بحرانی، البرہان، ۱۳۸۹ش، ج ۴، ص۸۰۱ .

تفسیری روایات کے تعارف اور اقسام کا اجمالی جائزہ

از قلم: صنم زہرا ناصر

خلاصہ

تفسیری روایات ، معصومین علیہم السلام کا وہ کلام ہے جو رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے قرآن کریم کی مختلف آیات کی تفسیر و وضاحت کے لیے منقول صورت میں ہم تک پہنچا ہے لیکن اس موضوع پر اہلسنت اور اہل تشیع کی حدیثی کتب میں بہت زیادہ روایات موجود ہیں جو مختلف آیات کی تفسیر کے طور پر حدیثی مجموعوں میں دیکھی جاسکتی ہیں ۔ ان روایات میں سے کچھ ایسی روایات بھی ہیں جنہیں ماہرین حدیث نے اسرائیلیات ، موضوعات اور جعلیات سے بھی تعبیر کیا ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے بارے میں ماہرین حدیث تحقیق کریں جس کے نتیجے میں اسرائیلیات کو معتبر احادیث سے جدا کیا جاسکے ہم نے اس مختصر تحریر میں تفسیری روایات کا مختصر تعارف اور ان کی اقسام بیان کرتے ہوئے ان روایات کی روشنی میں کی گئی تفسیر کے مختلف نمونے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض معتبر راویوں کی روایات کو بھی بیان کیا ہے آخر میں تفسیری روایات کے متون پر بھی ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی ہے اگرچہ اس موضوع پر اس سے کہیں زیادہ دقیق اور وسیع تحقیق کی ضرورت ہے جسے انشاءاللہ محققین ضرور انجام دینے کی کوشش کریں گے۔

بنیادی کلمات: تفسیر، روایات، معصومیں، اقسام، رسول اکرم، قرآن۔

تمہید

اس مختصر تحقیق میں تفسیری روایات کا تعارف اور ان کی اقسام بیان کی گئی ہیں چونکہ یہ مقالہ تفسیری روایات کے سبجیکٹ سے مربوط ہے لہٰذا ہم نے اسے کلاس کے ہوم ورک کے طور پر انجام دیا ہے اور تفسیری روایات کے مختلف نمونے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور آخر میں تفسیری روایات کے متون پر بھی چند جملوں میں نتیجہ دینے کی سعی وتلاش کو زینت قلم بنایا ہے امید ہے قارئیں اس موضوع پر اپنی تجاویز سے ہمیں مطلع فرمائیں گے۔

تفسیری روایات کا تعارف

معصومؑ کا کلام، قرآن کی توضیح اور تبیین کا سر چشمہ ہونے کی بحث، نزولِ قرآن کے زمانے میں ہی شروع ہوئی تھی، لہٰذا اللہ نے اپنے رسول حضرت محمّد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بطور شارح و مبینِ قرآن متعارف کروایا۔ارشاد باری تعالی ہے: وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیہم و لعلہم یتفکرون (اے رسول) آپ پر بھی ہم نے قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کیلئے وہ باتیں کھول کر بتادیں جو ان کے لیے نازل کی گئی ہیں اور شاید وہ (ان میں) غور کریں۔

اس بنا پر رسولِ خداؐ کے ہم عصر لوگ، آپؐ ہی سے قرآنی آیات کی تفسیر، اس کے مجمل و مقیّد اور عام خاص کی وضاحت، دریافت کرتے تھے اور آپؐ کے بیانات کو بغیر کسی تشویش کے قبول کرتے تھے۔آپؐ کی رحلت کے بعد صحابہ بھی قرآن کی تفسیر میں آپؐ کے فرامین سے استناد کرتے تھے۔بعد میں آنے والے مفسرین اور علوم قرآن کے ماہرین نے بھی روایات کو تفسیرِ قرآن کا ایک منبع ہونے کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ اور بعض مسلمان علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر کا ایک ہی قابلِ اعتماد ذریعہ ہے اور وہ روایات ہیں۔

تفسیری روایات کی اقسام

معصومینؑ سے منقول، دیگر روایات کی طرح، تفسیری روایات بھی مختلف مواقع اور مناسبات میں صادر ہوئی ہیں لہٰذا معصومینؑ سے صدورِ روایات کے اسباب کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا نہایت ضروری ہے؛ کیونکہ اہل بیتؑ بعض اوقات کسی کے جواب میں حدیث ارشاد فرماتے تھے؛ کبھی خود قرآن کی کسی آیت سے استدلال اور احتجاج کے وقت بیان فرماتے؛ کبھی کبھار قرآن کے کسی مشکل لفظ کی وضاحت فرماتے؛اور بعض مواقع پر آیات کے باطنی معنی کو بھی بیان فرماتے۔ لہٰذا تفسیر اور قرآن فہمی میں غلطی اور لغزش سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ روایات کے ذریعے تفسیر سے قبل، اسبابِ ورد حدیث کی معرفت اور شناخت حاصل ہو جائے۔

اس اعتبار سے مذکورہ نکتے کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کہ روایی تفاسیر کے مؤلفین نے اپنی کتب میں حدیث کی ذکرشدہ اقسام میں کوئی فرق بیان نہیں کیا، اور بعض روایات کے متون کے حوالے سے توسرے سے کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

روایات اور الفاظ کے معانی

قرآن فہمی اور تفسیر کا پہلا مرحلہ، مفردات سے آشنائی کا ہے اور قرآنی الفاظ و معانی میں اہم بات یہ ہے کہ قرآنی الفاظ کے ان معانی سے آگاہی حاصل کی جائے جو زمانہ نزول میں مقصود ہوتے تھے، اس سلسلے میں اہم ترین ذریعہ وہ روایات ہیں جو نزول قرآن کے زمانے یا اس کے کچھ عرصہ بعد، معصومینؑ سے صادر ہوئی ہیں۔ انہی روایات میں سے بعض کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

منخنقہ، موقوذہ، متردیہ اور نطیحہ کے معنی

سورہ مائدہ کی تیسری آیت میں مذکور مفردات منخنقہ ، متردیہ، نطیحہ اور موقوذہ کی وضاحت کے سلسلے میں، عبد العظیم حسنی نے امام جوادؑ سے ایک روایات نقل کی ہے جس میں فرمایا ہے: کہ منخنقہ اس حیوان کو کہا جاتا ہے جو گلا گھٹ کر مر جائے؛ موقوذہ وہ حیوان ہے جسے کوئی بیماری موت کے گھاٹ اتار دے؛ متردیہ بلند جگہ پہاڑ وغیرہ سے گر کر مرنے والے جانور کو کہتے ہیں اور نطیحہ وہ حیوان ہے جو دوسرے حیوان کے سینگ لگنے سے مر جائے۔

روایات میں سحت کے مصادیق

لغوی لحاظ سے سحت کے معنی نابود ہونے، تباہ ہونے، اور ختم ہونے کے ہیں اور روایات معصومینؑ میں سحت کے مختلف مصادیق بیان کیے گئے ہیں۔امام صادقؑ کے واسطے سے امیر المؤمنینؑ سے منقول ایک روایت میں مندرجہ ذیل چیزوں کو سحت کے مصادیق میں سے قرار دیا ہے: وہ رقم جو مردار اور کتے کے عوض لی جاتی ہے، وہ رقم جو بدکار اور فاحشہ عورت کو دی جاتی ہے، قاضی قضاوت اور فیصلوں کے دوران جو رشوت وصول کرلیتا ہے اور کاہن اور جادوگر کا معاوضہ۔

تضرّع کے معنی

سورہ مؤمنون کی آیت ۷۶ میں وارد کلمہ تضرع و مایتضرعون کے بارے میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ تضرع کے معنی ہاتھوں کو بلند کرنے کے ہیں؛ اسی آیت کے بارے میں آپؑ ہی سے منقول ایک اور راویت میں وارد ہے کہ استکانت کے دعا اور تضرع کے معنی نماز میں ہاتھوں کو بلند کرنے کے ہیں۔

قرآن میں کفر کی اقسام

امام صادق علیہ السلام نے ایک روایت میں ،قرآن میں مذکور کفر کے مختلف استعمالات کی تفصیل بیان فرمائی ہے:

انکار

ا ۔کفر بمعنی انکار، اس کی دو قسمیں ہیں:

اِ۔ ربوبیت کا انکار، جیساکہ سورہ بقرہ کی چھٹی آیت میں ارشاد ہے: ان الذین کفروا سواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لایؤمنون

ب۔واضح حقیقت کا انکار، سورہ بقرہ کی آیت ۹۸ میں ارشاد ہے: فلما جاءهم ما عرفوا کفروا به

کفرانِ نعمت

سورہ نمل کی آیت ۴۰ میں کفر بمعنی کفرانِ نعمت استعمال ہوا ہے: ہذا من فضل ربی لیبلونی ااشکر ام اکفر اور اسی طرح سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون

اللہ کے حکم پر عمل نہ کرنا

سورہ بقرہ کی آیت ۸۵ میں کفر، اللہ کے احکامات پر عمل نہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے: افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض...

برائت اور بیزاری

قرآن کریم میں کفر برائت اور بیزاری کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسے : کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تؤمنوا باللہ وحدہ ◇ ایک اور مقام پر ارشاد ہے : ... وثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا.

مفہومِ آیت بیان کرنی والی روایات

اس نوع کی روایات میں آیات کی تفسیر اور تشریح بیان ہوتی ہے جو کہ آیت کو سمجھنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ان روایات میں سے بعض کو بطور مثال یہاں ذکر کیا جاتا ہے :

عبد اللہ بن سنان کی روایت

عبد اللہ بن سنان نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے سورہ حج کی آیت ۳۶ فاذ کروا اسم اللہ علیہا صواف فاذا وجبت جنوبہا...کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ : یہ اونٹ کے نحر کے وقت اللہ نام لینا) اس وقت ہوتا ہے جب اونٹ کو نحر کرنے کیلئے کھڑا کر دیا جاتا ہے اور اس کی ٹانگیں باندھ دیے جاتے ہیں اور وجبت جنوبہا» سے وہ وقت مراد ہے جب اونٹ زمین پر گر جائے

ایک اور روایت

امام صادق علیہ السلام سے لا اقسم بہذا البلد وانت حل بہذا البلد[۲۰] کی تفسیر کے بارے میں مروی ہے کہ قریش مکہ کی عظمت واحترام کے قائل تھے، لیکن رسولِ خداؐ کی ہتکِ حرمت کرتے تھے؛ لہذا خدا نے فرمایا: کہ اس سرزمین کی قسم نہیں جس میں تیری بے حرمتی ہوتی ہے۔اللہ تعالی کا مقصود یہ ہے کہ اس سرزمین میں تیری حرمت باقی نہیں رہی، تجھے جھٹلایا گیا، اور سب وشتم کیا گیا؛ حالانکہ اس سرزمین آپؐ کے علاوہ سب کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا حتی کہ کوئی

شخص اس سرزمین میں اپنے باپ کے قاتل کا بھی مؤاخذہ نہیں کرتا تھااور حرم کے درخت کااس قدر احترام ہوتا تھا کہ اسے بطورِ شفاء استعمال کرتے تھے، لیکن رسول اللہؐ کی حرمت کے قائل نہیں تھے جس کی وجہ سے خداوند متعال نے انہیں سرزنش کیا۔

امام باقرؑ کی روایت

روایت میں وارد ہوا ہے کہ عمرو بن عبید امام باقرؑ کا امتحان لینے کیلئے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور امام سے مخاطب ہو کر کہا: میں تجھ پر قربان ہو جاؤں! اولم یر الذین کفروا ان السماوات والارض کانتا رتقا ففتقناہما کا مطلب کیا ہے؟ یہ رتق اور فتق کیا ہے؟

امام باقرؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: یعنی آسمان بند تھا؛ بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بند تھی کوئی پودا نہیں اگاتی تھی۔ عمرو بن عبید نے ایک اور سؤال پوچھتے ہوئے کہا کہ میری جان تجھ پر فدا ہو! اللہ کی اس آیت و من یحلل علیہ غضبی فقد ہوی میں غضب خدا سے کیا مراد ہے؟ امام نے فرمایا: غضبِ خدا سے اس کا عذاب مراد ہے۔اے عمرو! جو شخص یہ گمان کرے کہ کوئی چیز خدا کو ئی متغیر کرتی ہے اس نے درحقیقت کفر کیا.

بطونِ آیات بیان کرنے والی روایات

اس قسم کی روایات میں، ایسے معانی اور مصادیق بیان کیے جاتے ہیں جو بظاہر آیت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں یا وہ ایسے مفاہیم اور مصادیق ہوتے ہیں جو صدورِ روایات کے زمانے میں موجود نہیں تھیں لیکن چونکہ آیت اور کلامِ معصوم میں ایک خاص ارتباط پایا جاتا ہے اسلئے بیانِ

معصومؑ کو آیت کے اوپر منطبق کیا جاتاہ ہے۔ لیکن اس انطباق کا مطلب، آیت کے ظاہری مصداق کی نفی ہر گز نہیں اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں آیات کے ظاہری اور باطنی مصادیق ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

یہاں مذکور روایات کے تین نمونے ذکر کیے جاتے ہیں:

عبد اللہ بن سنان کی روایت

عبد اللہ بن سنان ذریح محاربی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: کہ خداوند متعال نے اپنی کتاب مجھے ایک حکم دیا ہے میں اس کا مطلب جاننا چاہتا ہوں۔ امام نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ میں نے کہا وہ قرآن کی آیت ثم لیقضوا تفثہم ولیوفوا نذورہم امامؑ نے فرمایا: اس کے معنی مونچھوں اور ناخن وغیرہ کو کاٹنے کے ہیں؛ میں نے کہا: میں تجھ پر قربان جاؤں! ذریح تو آپ کا حوالے دیکر کہتے ہیں کہ آپ نے انہیں مذکورہ آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ ثم لیقضوا تفثہمکے معنی امام سے ملاقات ولیوفوا نذورہم» سے مراد مناسک کو انجاد دینا ہے؟ امام نے فرمایا: ذریح درست کہتے ہیں اور تم بھی سچ کہتے ہو؛ بے شک قرآن کا ظاہر اور باطن ہے اور ذریح سے بڑھ کر کون ہے جو ان (معانی) کو تحمل کرے؟

داوود جصاص کی روایت

داوود جصاص سے ایک روایت منقول ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: آیت وعلامات و بالنجم ہم یہتدون ◇ میں نجم، رسول خداؐ ہیں اور علامات ائمہؑ ہیں۔

وضاحت

یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ روایت میں امامؑ نے آیت کا باطنی معنی بیان فرمایا ہے؛ یعنی اہل بیت عصمت وطہارت لوگوں کو ضلالت وگمراہی کی ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر نور اور ہدایت کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں؛ کیونکہ آیت کا ظہور، ان ستاروں کے بارے میں ہے جن کے ذریعے لوگ بیابانوں اور سمندروں میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں؛ یہی ظاہری معنی ایک اور روایت میں بھی وارد ہوا ہے۔

ایک اور روایت

امام صادقؑ اپنے اباء واجداد کے ذریعے رسول اللہؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ: وبالنجم ہم یہتدون سے مراد ستارہ جدی ہے؛ کیونکہ وہ ایسا ستارہ ہے جو غروب نہیں ہوتا؛ قبلہ کی بنا اسی پر ہے اور خشکی اور سمندروں والے اس کے ذریعے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

ایک اور نمونہ

حادثہ پیروزی بنی اسرائیل بر فرعونیان ووراثت زمین کہ مورد نزول آیہ شریفہ:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ

ظہور بنی اسرائیل کی فرعونیوں پر فتح اور زمین کی وراثت کے میں ہوتا ہے » یعنی آیت کا ظاہر اس واقعہ کو بیان کرتا ہے جس میں اللہ تعالی نے فرعون وہامان اور ان کے لشکر کو ہلاک کیا اور مؤمنین اور مستضعفین کو سرزمین مصر کا وارث بنا دیا۔ لیکن بعض روایات میں مذکورہ آیت کی یوں تأویل بیان کی گئ ہے کہ اس سے مراد مستضعفینِ ال محمدؑ ہیں جنہیں اللہ تعالی امام مہدیؑ کے ذریعے غلبہ ونصرت عطا کرے اور ان کے دشمنوں کو ذلیل وخوار فرمائے گا۔

بعض روایات میں اس مطلب کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ آیت کی تنزیل بنی اسرائیل کے بارے میں ہے اور اس کی تأویل اہل بیتؑ کے بارے میں ہے۔

تفسیری روایات کے متون پر ایک نظر

قرآنی آیات کی تفسیر، تأویل اور بطون بیان کرنے والی روایات، مختلف شیعہ اور سنی کتب میں پراگندہ صورت میں موجود ہیں، جیسے اہل سنت کی صحاح ستہ، کنزالعمال اور مستدرک علی الصحیحین وغیرہ۔ اسی طرح شیعہ کتب حدیث جیسے کتب اربعہ اور بحار الانوار وغیرہ؛ لہٰذا قرآنی محقق کے لیے ضروری ہے کہ تفسیری روایات کی تحقیق کے دوران مذکورہ مصادر اور جوامع کو مد نظر رکھے۔

مذکورہ جوامع حدیثی کے علاوہ، بعض علماء نے تفسیری روایات کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے اور انہوں نے اس سلسلے میں باقاعدہ کتب تالیف کی ہیں جو کہ ہماری دسترس میں ہیں۔ اہل سنت کی مشہور ترین کتبِ تفسیر میں سے الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور جلال الدین سیوطی کی ہے، اور ان سے پہلے جامع البیان عن تأویل آی القرآن محمد بن جریر طبری کی تحریر کردہ ہے۔

شیعہ روائی تفاسیر کے اہم ترین مجموعے، تفسیر علی بن ابراہیم قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر فرات کوفی، تفسیر نعمانی، تفسیر نور الثقلین اور البرہان فی تفسیر القرآن ہیں۔

ایک اہم نکتہ

ایک اہم نکتہ یہاں ذکر کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ مفسّر کو مذکورہ تفاسیر کے اصلی منابع سے غفلت نہیں کرنی چاہیے؛ کیونکہ اکثر تفاسیر، تحقیق اور تصحیح شدہ صورت میں دستیاب ہیں۔

آخری اہم ترین نکتہ

اس نکتے کی طرف توجہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی سب آیات کے ذیل میں روایات وارد نہیں ہوئی ہیں، اور جو تفسیری روایات کا ذخیرہ موجود ہے اس کا بھی ایک بہت بڑا حصہ، اسناد کے غیر معتبر ہونے کی بنا پر، تفسیر کا منبع قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس بنا پر یہ اعتقاد رکھنا کہ قرآن فہمی اور تفسیر رسول خداؐ اور اہل بیتؑ کے بیانات کے بغیر جائز نہیں ہے، دعوی بلا دلیل اور گمانِ باطل ہے۔ اسی طرح صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی روایات اور سنت میں سے شمار نہیں ہوتے اور اور نہ ہی ان کے ذریعے سے قرآن کی تفسیر کی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱ . نحل/سورہ۱۶، آیہ ۴۴۔

۲ . ذہبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، ج۱، ص ۳۷۔

۳ . شیخ طوسی، محمد بن حسن، تفسیر التبیان، ج۱، ص۶۷۔

۴ . طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، جامع البیان، ج۱، ص ۲۵-۲۶۔

۵ . طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، جامع البیان، ج۱، ص ۳۲۔

۶ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج۶۵، ص ۱۴۷۔

۷ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۱۰۳، ص ۴۲۔

۸ . مؤمنون/سورہ ۲۳، آیہ ۷۶۔

۹ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۳۳۷۔

۱۰ . حویزی، عبد علی بن جمعہ، تفسیر نور الثقلین، ج ۳، ص ۵۴۹۔

۱۱ . بقرہ/سورہ ۲، آیت ۶۔

۱۲ . بقرہ/سورہ ۲، آیت ۸۹۔

۱۳ . نمل/سورہ ۲۷، آیت ۴۰۔

۱۴ . بقرہ/سورہ ۲، آیت ۱۵۲۔

۱۵ . بقرہ/سورہ ۲، آیت ۸۵۔

۱۶ . ممتحنہ/سورہ ۶۰، آیت ۴۔

۱۷ . عنکبوت/سورہ ۲۹، آیت ۲۵۔

۱۸ . حج/سورہ ۲۲، آیہ ۳۶۔

۱۹ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ٦۵، ص ۳۰۱۔

۲۰ . بلد/سورہ ۹۰، آیہ ۲۱۔

۲۱ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۲۴، ص ۲۸۴۔

۲۲ . انبیاء/سورہ ۲۱، آیت ۳۰۔

۲۳ . طہ/سورہ ۲۰، آیت ۸۱۔

۲۴ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۴، ص ٦۷۔

۲۵ . حج/سورہ ۲۲، آیہ ۲۹۔

۲٦ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۹۹، ص ۳۱۸۔

۲۷ . نحل/سورہ ۱٦، آیہ ۱٦۔

۲۸ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۱٦، ص ۸۸۔

۲۹ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۸۴، ص ٦٦۔

۳۰ . قصص/سورہ ۲۸، آیہ ٦۵۔

۳۱ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۵۴۔

۳۲ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۵۴۔

۳۳ . مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۲٦۔

قرآن کریم میں محکم اور متشابہ کے بارے میں نظریات کا مختصر تحقیقی جائزہ

از قلم : سمانہ عابد

خلاصہ

سورہ مبارکہ آل عمران کی آیت نمبر ۷ میں آیات کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے اور وہ دو قسمیں محکم آیات اور متشابہ آیات ہیں اس تحریر میں ہم نے سب سے پہلے محکم اور متشابہ کے معانی اور ان آیات کی تفسیر کے لیے کس اسلوب اور روش سے استفادہ کیا جاتا ہے اسے بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد اہلبیت علیہم السلام کی اس بارے میں کیا روش ہے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اس آیت میں آنے والے اہم ترین حکم یعنی تاویل آیات متشابہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کی تاویل صرف ذات الہی کے علم میں ہے یا پھر اسے راسخون فی العلم جانتے ہیں ، جب راسخون فی العلم کی بات آتی ہے اس میں پھر مفسرین کے بیانات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اگرچہ اکثر مفسرین شیعہ واہلسنت نے راسخون فی العلم سے مراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہلبیت علیہم السلام کو قرار دیا ہے اور اس بارے میں بہت زیادہ احادیث بھی موجود ہیں۔

بنیادی کلمات : محکم ، متشابہ ، قرآن کریم ، نظریات ، راسخون

محکم اور متشابہ آیات:

مُحْکَم اور مُتَشَابِہ علوم قرآن کی اصطلاح ہے۔ سورہ آل عمران کی ۷ویں آیت کے مطابق قرآن کی آیات دو حصوں: محکم اور متشابہ پر مشتمل ہیں۔ محکم ان آیات کو کہا جاتا ہے کہ جن کے معنا اتنے واضح ہوتے ہیں کہ اس معنا کے سوا کسی دوسرے معنا کو نظر میں نہیں لیا جا سکتا۔ متشابہ وہ آیت ہے جس کے ظاہری معنا میں زیادہ احتمالات پائے جاتے ہوں۔ اہل سنت میں سے ایک جماعت قائل ہے کہ متشابہ کا علم خدا سے مخصوص ہے لیکن اکثر شیعہ علما قائل ہیں کہ اکثر متشابہ آیات کو محکمات کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے۔ قرآن میں متشابہ آیات کے مذکور ہونے کی مختلف وجوہات ذکر کی گئی ہیں۔

اکثر علوم قرآن کے ماہرین معتقد ہیں کہ محکم آیات وہ ہیں جن کے معانی اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ ان معانی کے علاوہ کسی دوسرے معانی کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے اور متشابہ وہ آیات ہیں جن کے ظاہری معانی میں ایک سے زیادہ احتمالات موجود ہوں اور یہ ممکن ہے ایک کلمے میں ہو یا جملے میں ہو۔ محکم کے اصطلاحی معنا میں دیگر اقوال بھی موجود ہیں :

محکم آیات حلال و حرام اور اوامر و نواہی سے مربوط ہیں۔

محکم آیات جو منسوخ نہیں ہوئی ہیں اور متشابہ منسوخ ہونے والی آیات ہیں۔

محکم ایسا امر ہے جس میں وعدہ ثواب یا عقاب مذکور ہوا ہے۔

محکمات ایسی آیات جن کے الفاظ تکرار نہیں ہوئے ہیں۔

متشابہ منسوخ ہونے والی آیات ہیں جن عمل نہیں کرنا چاہیے۔

متشابہ قصص اور امثال ہیں۔

متشابہ وہ ہیں جن کے معانی خدا ہی جانتا ہے ہم انکے ظاہری معانی پر ایمان رکھتے ہیں۔
متشابہ فواتح سور اور حروف مقطعہ ہیں۔
متشابہ وہ ہے جسے معنائے ظاہری سے تأویل وانصراف کے بغیر نہ سمجاھ جاسکے۔
متشابہ وہ ہے کہ غیبی امور پر مشتمل ہو اور اس کا علم صرف خدا کو ہی ہے جیسے وقت قیامت، بارش آنے کا زمان، موت کا زمان اور اس جیسے دیگر امور۔
متشابہ وہ ہے جسے کسی دوسرے کے لحاظ کئے بغیر نہ سمجھا جاسکے۔

متشابہات قرآن مجید میں کیوں موجود ہیں؟

متشابہ آیات کی وجہ سے فہم قرآن میں غلطی واقع ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اس وجہ سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں ان آیات کے ہونے کا کیا فائدہ ہے؟ اس سوال کے کئی جوابات دئے گئے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

متکلمین کی ایک جماعت اس کی معتقد ہے کہ آیات متشابہات قرآن میں عمیق تر اور بیشتر دقت کے مواقع فراہم کرتی ہیں چونکہ ضرورت کے وقت علما سے رجوع اور عقل کے استعمال سے متوجہ ہوتا ہے کہ تشابہ میں کوئی مطلب موجود ہے۔

بعض عرفا معتقد ہیں کہ چونکہ سالکان الی اللہ کے احوال اور درجات مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض مقام طبیعت سے گزر کر مقام نفس پر پہنچ گئے ہیں اور بعض مقام نفس سے گزر کر مرتبۂ عقل و اس کی امثال حاصل کر چکے ہیں۔ قرآن کی آیات انسانوں کی معرفت کے درجات اور مراحل نفس کے مطابق نازل ہوئی ہیں۔

فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن کے مخاطبین میں لوگ بھی شامل ہیں کہ جو غیر عوالم مادی سے بے خبر ہیں لہٰذا ابتدائی طور پر آیات میں خدا کی طرف جسمانی اوصاف اور اعراض کی نسبت دی گئی اور ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو وہم اور خیال کے عالَم سے مناسب ہیں ان سے استفادہ کیا گیا ہے پھر انکے ہمراہ محکمات کے عنوان سے آیات ہیں جو واقعیت امر کو بیان کرتی ہیں۔ اس طرح عام لوگ آہستہ آہستہ موجودِ مختصات اولی سے ایسے موجود کی طرف منتول ہوتے ہیں جو صفات امکانی سے مبرّا ہوتا ہے۔

متشابہ آیات میں تفسیری روش:

متشابہ آیات کی تفسیر کرنے میں مفسرین کی روشیں مختلف ہیں۔ ملا صدرا نے چار تفسیری روشیں بیان کی ہیں:

اہل لغت، اصحاب حدیث اور حنابلہ کا مسلک:

یہ گروہ قائل ہیں کہ متشابہ الفاظ کو ظاہری معنا پر حمل کرنا چاہئے۔ ظاہری معنا سے تخلف کرنا حتا کہ اگرچہ وہ قواعد عقلیہ کے ہی کیوں مخالف نہ ہو جائز نہیں ہے۔ پس اس روش کے مطابق ان میں کسی قسم کی تاویل جائز نہیں ہے۔

محققین اور اکثر معتزلہ :

یہ گروہ متشابہ الفاظ کی تاویل عقلی قواعد کے موافق کرتا ہے۔ ان کا مبنا خداوند کریم سے صفات امکانی اور نقص کی تنزیہ کرنا ہے۔

اکثر اشاعرہ اور بعض معتزلہ:

یہ تفصیل کے قائل ہیں۔ بعض آیات واخبار کی نسبت تنزیہی روش اپناتے ہیں اور بعض میں روش تشبیہ و تنزیل اختیار کرتے ہیں۔ جو کچھ معاد سے مربوط ہے اس میں ظاہری معنا ہی مراد لیتے ہیں اور تشبیہ کے قائل ہیں۔

راسخون فی العلم:

اس کی توضیح یون بیان کرتا ہے: راسخون کشف و شہود اور اشراق باطن کے ذریعے متشابہات کے واقعیت اور حقیقت کو حاصل کر لیتے ہیں اور یہ لوگ صرف تنزیہ اور تشبیہ محض نیز ان کے درمیان خلط کرنے والوں سے محفوظ ہیں۔ متشابہات کی معانی کو کشف کرنا صرف باطنی نورانیت اور چراغ نبوت کے ذریعے امکان پذیر ہے۔ لہٰذا یہ انسان کو ظاہر گرائی اور تشبیہ اور تعطیل کی طرف لے کر جاتا اور نہ تأویل کے دام میں الجھاتا ہے۔

متشابہات میں روش اہلبیت علیہ اسلام:

عیون اخبار الرضا میں امام رضا(ع) سے مروی ہے:

مَنْ رَدَّ مُتَشَابِهَ الْقُرْآنِ إِلَى مُحكَمِهِ فَقَدْ هُدِیَ إِلَى صِراطٍ مُسْتَقِيمٍ

ترجمہ: ہماری روایات میں قرآن کی مانند متشابہات موجود ہیں لہٰذا ہمارے کلام کو بھی محکمات کی طرف لوٹایا جائے۔

فِي اَخْبَارِنَا مُتَشَابِهٌ كَمُتَشَابِهِ الْقُرْآنِ فَرُدُّوا مُتَشَابِهَها اِلَى مُحْكَمِهَا وَ لاتَتَّبِعُوا مُتَشَابِهَهَا دُونَ مُحْكَمِهَا فَتَضِلُّوا

. قابل غور بات یہ ہے کہ متشابہات سمیت تمام قرآن کے معانی حاصل کئے جا سکتے ہیں مگر محکمات کے سائے تلے انہیں حاصل کیا جائے۔ یہ چیز اس نظریے کے مخالف ہے کہ جو معتقد ہیں کہ متشابہ کے معانی صرف خدا ہی جانتا ہے۔ پس مکتب اہل بیت کے مطابق متشابہات کے مقابلے میں توقف نہیں ہے۔

راسخون فی العلم:

اس کے بارے میں مختلف نظریات ہیں:

۱۔ قرآن کے ماہرین نے محکم و متشابہ کے ذیل میں ایک یہ بحث کی ہے کہ سورۂ آل عمران کی ساتویں آیت:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا

اللہ اور راسخون فی العلم کے علاوہ اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے وہ کہتے ہیں جو کچھ ہمارے پروردگار کی جانب سے ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔) اگر اس آیت میں

«وَ الرّٰاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ» کا عطف «وَ ما يعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاّٰ اللّٰهُ» کیا جائے تو اس کا معنا ہوگا کہ راسخون علم بھی تاویل سے آگاہ ہیں اور اگر اسے استیناف (نیا جملہ) قرار دیں اور پہلے پر عطف نہ کریں تو اس کا معنا ہو کہ راسخون علم تاویل سے آگاہ نہیں ہونگے بلکہ وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور کہتے ہیں: آمَنّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنا.

اکثر علمائے اہل سنت "اہل سنت قائل ہیں کہ متشابہ آیات میں توقف کریں اور راسخون علم کا علم بھی یہاں منتہی ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ پرودگار کی جانب سے نازل ہوا ہم اس ایمان لاتے ہیں۔

اکثر .شیعہ-"شیعہ علما اور اہل سنت علمانے »الراسخون فی العلم «کا»اللہ «پر عطف کیا ہے قائل ہیں کہ وہ راسخون فی العلم تاویل سے آگاہ ہیں اور وہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر راسخون علم بھی دوسرے لوگوں کی مانند تاویل نہیں جانتے تو اللہ نے کیوں ان کی تمجید کی ہے۔ شیعہ حضرات " روایات کی بناپر راسخون علم سے مراد" اہل بیت "اہل بیت لیتے ہیں۔

۲۔ یہ تعبیر قرآن مجید میں دو مقامات پر استعمال ہوئی ہے۔ایک تو اسی مقام پر اور دوسرا سورۂ نساء آیہ ۱۶۲ میں جہاں فرمایا گیا ہے ۔

''لکن الراسخون فی العلم منهم و المؤ منون یؤمنون بما انزل الیک و ما انزل مب قبلک ''

"علم میں راسخ اہل کتاب میں سے اور اہل ایمان) بھی (اس پر ایمان رکھتے ہیں جو کچھ تم سے پہلے نازل ہوا ہے ۔"

اس لفظ کے لغوی معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم و دانش میں ثابت قدم اور صاحبِ نظر ہیں ۔

البتہ اس لفظ کا ایک وسیع مفہوم ہے جس میں تمام علماء اور مفکرین شامل ہیں تاہم ان میں کچھ ایسے ممتاز افراد ہیں جن میں ایک مخصوص درخشندگی اور روشنی ہوتی ہے جو طبعًا اس لفظ کے درجہ اول کے مصادیق قرار پاتے ہیں اور جب کبھی یہ لفظ ادا ہو۔ سب سے پہلے نگاہیں انہی کی طرف اٹھتی ہیں ۔

یہ جو کئی ایک روایات میں "راسخون فی العلم " سے پیغمبر اسلام اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام مراد لیے گئے ہیں تو اس کی یہی وجہ ہے کہ قرآن کی آیات اور الفاظ وسیع مفاہیم رکھتے ہیں۔ بہر حال اس کے مصادیق میں سب سے پہلے اس مفہوم کے غیر معمولی اور فوق العادہ قابلیت رکھنے والے افراد ہی آتے ہیں اوقات اس کی تفسیر میں فقط انہی کا نام آتا ہے۔ اصول کافی میں امام باقر)ع (یا امام صادق)ع (سے روایت ہے ۔ فرمایا :

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راسخون فی العلم میں سب سے بلند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی آپ پر نازل فرمایا آپ اس کی تاویل و تنزیل سے واقف تھے۔ خدا نے آپ پر کوئی ایسی چیز نازل نہیں کی جس کی تاویل آپ کو نہ سکھائی ہو اور آپ کے اوصیاء بھی قرآن کی سب تاویل و تنزیل کو جانتے ہیں ۔، اس سلسلے میں بہت سی اور روایات بھی اصول کافی اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں جنہیں نور الثقلین اور البرھان کے مؤلفین نے اس آیہ کے ذیل میں جمع کیا ہے اور جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ راسخون فی العلم سے جہاں جہاں پیغمبر اسلام اور آئمہ ہدیٰ مراد لئے گئے ہیں وہاں اس کے وسیع مفہوم کی نفی نہیں ہو جاتی ۔ اسی لئے ابن عباس سے منقول ہے وہ کہتے ہیں :

میں بھی راسخون فی العلم میں سے ہوں ۔
البتہ ہر شخص قرانی اسرار و تاویل سے اپنے علم کے مطابق ہی آگاہ ہوگا اور جن کے علم کا سر چشمہ پروردگار کا علم بے کنار ہے یقینا وہ تمام اسرارِ قرآن اور تمام تر تاویلاتِ قرآن سے آشنا ہیں جب کہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ تو کچھ اسرار سے واقف ہیں۔

امام محمد باقر) ع (سے آیت کریمہ "و ما یعلم تاویلہ الا اللہ و الراسخون فی العلم "کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ پورے قرآن کی تاویل کا راز خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتاہے۔ رسول اکرم ان تمام افراد میں سب سے افضل ہیں کہ پروردگار نے انھیں تمام تنزیل اور تاویل کا علم عنایت فرمایاہے اور کوئی ایسی شے نازل نہیں کی جس کی تاویل کا علم انھیں نہ دیا اور پھر ان کے اوصیاء کو عنایت فرمایاگیا اور جب جاہلوں نے یہ سوال کیا کہ ہم کیا کریں ؟ تو ارشاد ہوا " **یقولون امنا بہ کل من عند ربنا** "
تمھاری شان یہ ہے کہ سب پر ایمان لے آو اور کہو کہ سب پروردگار کی طرف سے ہے۔
دیکھو قرآن میں خاص بھی ہے اور عالم بھی، ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی ، محکم بھی ہے اور متشابہ بھی اور
راسخون فی العلم ان تمام امور کو بخوبی جانتے ہیں ۔[1]

تفسیر ابنِ کثیر کے مطابق:

---

[1] ۔ تفسیر عیاشی،

نافع بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو متواضع ہوں جو عاجزی کرنے والے ہوں، رب کی رضا کے طالب ہوں، اپنے سے بڑوں سے مرعوب نہ ہوں، اپنے سے چھوٹے کو حقیر سمجھنے والے نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ یہ سب دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دِلوں کو ہدایت پر جمانے کے بعد انہیں ان لوگوں کے دِلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر برباد ہو جاتے ہیں بلکہ ہمیں اپنی صراطِ مستقیم پر قائم رکھ اور اپنے مضبوط دین پر دائم رکھ، ہم پر اپنی رحمت نازل فرما، ہمارے دِلوں کو قرار دے، ہم سے گندگی کو دور کر، ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا تو بہت بڑا دینے والا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے :

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّت قَلْبِي عَلَى دِينِكَ

اے دِلوں کے پھیرنے والے میرے دِل کو اپنے دین پر جما ہوا رکھ،

پھر یہ دعا: **رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ**۔ [1]

اور حدیث میں ہے کہ آپ بکثرت یہ دعا پڑھتے تھے» **اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّت قَلْبِي عَلَى دِينِكَ**

اسماء نے ایک دن پوچھا کیا دِل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہر انسان کا دِل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، اگر چاہے قائم رکھے اگر چاہے پھیر دے۔ [۲]

---

[۱]۔ تفسیر ابن جریر الطبری: 6647:

[۲]۔ مسند احمد 6/302

ہماری دعا ہے ہمارا رب دِلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے، وہ بہت زیادہ دینے والا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے کہ میں اپنے لیے مانگا کروں، آپ نے فرمایا یہ دعا مانگ :

اللّٰھُمَّ ربَّ محمد النبی اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي، وَ اَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلاتِ الْفِتَنِ۔[١]

اے اللہ اے محمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رب میرے گناہ معاف فرما، میرے دِل کا غصہ اور رنج اور سختی دور کر اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچا لے، حضرت عائشہ نے بھی آپ کی دعا :

یَا مُقَلِّبَ القُلُوبِ ثَبِّت قَلْبِي عَلَى دِينِكَ

سن کر اسماء رضی اللہ عنہا کی طرح میں نے بھی یہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا اور پھر قرآن کی یہ دعا سنائی،[2] یہ حدیث غریب ہے لیکن قرآنی آیت کی تلاوت کے بغیر یہی بخاری مسلم میں بھی مروی ہے۔[٣]

اور نسائی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو جاگتے تو یہ دعا پڑھتے :

لا اِلٰـہَ إلاّ اَنْتَ سُبْحانَكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنبِی و أَسْأَلُكَ رَحمَةً اللّٰهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلاَ تُزِغْ قَلبِی بَعْدَ إِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ۔[٤]

---

[١] - تفسیر ابن جریر الطبری:6649

[2] - طبرانی اوسط:1553

[٣] - صحیح مسلم [2654

[٤] - سنن ابوداود5061

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں، اللہ میرے علم میں زیادتی فرما اور میرے دِل کو تو نے ہدایت دے دی ہے اسے گمراہ نہ کرنا اور مجھے اپنے پاس کی رحمت بخش تو بہت زیادہ دینے والا۔ حضرت ابوبکر نے مغرب کی نماز پڑھائی، پہلی دو رکعتوں میں الحمد شریف کے بعد مفصل کی چھوٹی سی دو سورتیں پڑھیں اور تیسری رکعت میں سورۃ الحمد شریف کے بعد یہی آیت پڑھی۔ ابوعبداللہ ضابحی فرماتے ہیں میں اس وقت ان کے قریب چلا گیا تھا، یہاں تک کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے مل گئے تھے اور میں نے خود اپنے کان سے ابوبکر کو یہ پڑھتے ہوئے سنا عمر بن عبدالعزیز نے جب تک یہ حدیث نہیں سنی تھی آپ اس رکعت میں» قل ھو اللہ « پڑھا کرتے تھے لیکن یہ حدیث سننے کے بعد انہوں نے بھی اسی کو پڑھنا شروع کیا اور کبھی ترک نہیں کیا۔ پھر فرمایا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ تو قیامت کے دن اپنی تمام مخلوق کو جمع کرنے والا ہے اور ان میں فیصلے اور حکم کرنے والا ہے، ان کے اختلافات کو سمیٹنے والا ہے اور ہر ایک کو بھلے برے عمل کا بدلہ دینے والا ہے اس دن کے آنے میں اور تیرے وعدوں کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں۔

مصادر و مآخذ

- زرکشی :البرہان فی علوم القران، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، بیروت، دارالمعرفہ
- قاضی عبدالجبار :المغنی فی ابواب التوحید و العدل، الجمہوریہ العربیہ المتحدہ، وزارہ الثقافہ
- سید جلال الدین آشتیانی :متشابہات القرآن، دانشگاہ فردوسی، بی تا
- ملاصدرا :متشابہات القرآن، تصحیح آشتیانی، مشہد، دانشگاہ فردوسی
- عیون اخبار الرضا، نشر جہان،
- نوادر الأخبار فیما یتعلق بأصول الدین، فیض کاشانی، مؤسسہ مطالعات و تحقیقات فرہنگی، تہران، ۱۳۷۱ش
- صبحی صالح، مباحث فی علوم القران، انتشارات الشریف الرضی، قم ۱۳۷۲ش
- بحرانی، البرہان فی تفسیر القرآن، انتشارات بعثت، قم
- قطان، مناع، مباحث فی علوم القرآن، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ق
- سید محمد علی ایازی، قرآن اثری جاودان، مؤسسہ پژوہشہای قرآنی، ۱۳۸۱ش

قرآن کریم میں محکم اور متشابہ پر مختصر تحقیق

از قلم: سیدہ ناظرہ کاظمی[1]

ا: محکم اور متشابہ

لفظ " **محکم** " دراصل " احکام " سے لیا گیا ہے جس کا معنیٰ ہے ممنوع قرار دینا اسی ہئے پائیدار اور استوار چیزوں کو " محکم " کہتے ہیں۔ چونکہ نابودی اور تباہی کے عوامل ان سے دور ہوتے ہیں ۔ واضح اور قطعی باتیں جو ہر مخالف احتمال کو اپنے سے دور کردیں بھی " محکم " کہلاتی ہیں۔ اس لئے آیات محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن کا مفہوم اس قدر ہے کہ ان کے معنی میں گفتگو اور بحث و تمحیص کی گنجائش نہ ہو۔

لفظ " **متشابہ** " سے دراصل ایسی چیز مراد ہے جس کے مختلف حصّے ایک دوسرے سے شباہت رکھتے ہوں۔ اسی لیے وہ جملے اور کلمات جس کے معانی پیچیدہ ہوں اور بعض اوقات ان کے بارے میں مختلف احتمالات پیدا ہو جائیں " متشابہ " کہلاتے ہیں متشابہات قرآن سے ایسی ہی آیات مراد ہیں۔ یعنی وہ آیات جن کے معانی پہلی نظر میں پیچیدہ رہیں اور ابتداء میں ان میں کئی احتمالات دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ آیاتِ محکمات کی طرف توجہ کرنے سے ان کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

معنا

اکثر علوم قرآن کے ماہرین معتقد ہیں کہ محکم آیات وہ ہیں جن کے معانی اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ ان معانی کے علاوہ کسی دوسرے معانی کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے اور متشابہ وہ آیات ہیں جن کے

ا۔ بیچلرز کورس، المصطفیٰ ورچوئل یونیورسٹی قم، ایران

ظاہری معانی میں ایک سے زیادہ احتملات موجود ہوں اور یہ ممکن ہے ایک کلمے میں ہو یا جملے میں ہو۔

۳: محکم کے اصطلاحی معنا

محکم کے اصطلاحی معنا میں دیگر اقوال بھی موجود ہی

۱۔ محکم آیات حلال و حرام اور اوامر و نواہی سے مربوط ہیں۔

۲۔ محکم ایسا امر ہے جس میں وعدہ ثواب یا عقاب مذکور ہوا ہے۔

۳۔ محکم آیات جو منسوخ نہیں ہوئی ہیں اور متشابہ منسوخ ہونے والی آیات ہیں۔

۴۔ محکمات ایسی آیات جن کے الفاظ تکرار نہیں ہوئے ہیں۔

متشابہ کے اصطلاحی معنا

متشابہ کے اصطلاحی معنا میں دیگر اقوال بھی موجود ہیں

۱۔ متشابہ منسوخ ہونے والی آیات ہیں جن عمل نہیں کرنا چاہئے۔

۲۔ متشابہ وہ ہے جسے معنائے ظاہری سے تأویل وانصراف کے بغیر نہ سمجاھ جاسکے۔

۳۔ متشابہ قصص اور امثال ہیں۔

۴۔ متشابہ وہ ہے کہ غیبی امور پر مشتمل ہو اور اس کا علم صرف خدا کو ہی ہے جیسے وقت قیامت، بارش آنے کا زمان، موت کا زمان اور اس جیسے دیگر امور۔

۵۔ متشابہ وہ ہیں جن کے معانی خدا ہی جانتا ہے ہم انکے ظاہری معانی پر ایمان رکھتے ہیں۔

۶۔ متشابہ فواتح سور اور حروف مقطعہ ہیں۔

۷۔ متشابہ وہ ہے جسے کسی دوسرے کے لحاظ کئے بغیر نہ سمجھا جاسکے۔

۲: محکم اور متشابہ علوم قرآن کی اصطلاح میں:

محکم اور متشابہ علوم قرآن کی اصطلاح ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

ترجمہ:

اس نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں سے کچھ آیتیں محکم اور واضح ہیں جو اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں - اب جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ان ہی متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور من مانی تاویلیں کریں حالانکہ اس کی تاویل کا حکم صرف خدا کو ہے اور انہیں جو علم میں رسوخ رکھنے والے ہیں - جن کا کہنا یہ ہے کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب کی سب محکم و متشابہ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے اور یہ بات سوائے صاحبانِ عقل کے کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے. (سورہ آل عمران آیت ۷)

سورہ آل عمران آیت ۷ کے مطابق قرآن کی آیات دو حصوں: محکم اور متشابہ پر مشتمل ہیں۔

محکم:

ان آیات کو کہا جاتا ہے کہ جن کے معنا اتنے واضح ہوتے ہیں کہ اس معنا کے سوا کسی دوسرے معنا کو نظر میں نہیں لیا جاسکتا۔

مثلاً

"قل ھو اللہ احد"

"لیس کمثلہ شیءٌ"

"اللہ خالق کل شیءٌ"

"للذّکر مثل حظ الانثیین"۔

اور ایسی ہی دیگر ہزاروں آیات ہیں جو عقائد، احکام، مواعظ اور تاریخ کے بارے میں ہیں اور سب کی سب "محکمات" ہیں۔

یہ "محکمات" قرآن میں "**ام الکتاب**" کے نام سے موسوم ہیں یعنی یہی وہ آیات ہیں جنہیں اصل مرجع، مفسر اور دیگر آیات کی وضاحت کرنے والی کہا جاسکتا ہے۔

متشابہ:

وہ آیت ہے جس کے ظاہری معنا میں زیادہ احتمالات پائے جاتے ہوں۔ اہل سنت میں سے ایک جماعت قائل ہے کہ متشابہ کا علم خدا سے مخصوص ہے لیکن اکثر شیعہ علما قائل ہیں کہ اکثر متشابہ آیات کو محکمات کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے۔ قرآن میں متشابہ آیات کے مذکور ہونے کی مختلف وجوہات ذکر کی گئی ہیں

مفسرین نے " محکم " اور متشابہ کے بارے میں اگرچہ بہت سے احتمالات پیش کیے جاتے ہیں لیکن ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ان دونوں الفاظ کے اصل معانی سے بھی مطابقت رکھتا ہے اور شان نزول اور اس آیت کے ذیل میں وارد ہونے والی روایات جن میں ان کی تفسیر بیان کی گئی ہے کے بھی مطابق ہے۔ نیز خود محل بحث آیت سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔ کیونکہ مذکورہ آیت میں ہے کہ خود غرض لوگ متشابہ آیات کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں واضح ہے کہ ایسے لوگ انہی آیات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں جن کی پہلی نظر میں متعدد تفاسیر ہو سکتی ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشابہ آیات کے لئے ہم ان آیات کے نمونے پیش کرتے ہیں جو صفاتِ خدا اور معاد کی کیفیت سے مربوط ہیں

مثلًا: " ید اللہ فوق اید یھم "

(خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے)۔

یہ قدرت خدا کے بارے میں ہے " واللہ سمیع علیم "

(خدا سننے والا اور جاننے والا ہے)

یہ علم الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

" ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ" (الانبیاء: ۴۷)

(قیامت کے دن ہم عدالت کے ترازو مقرر کریں گے)

یہ اعمال کے ناپ تول کے ذریعے کے متعلق ہے۔

واضح ہے کہ خدا کا ہاتھ کسی خاص عضو کے مفہوم میں ہیں ہے۔ یونہی اس کا سننا بھی کسی کان کے وسیلے سے نہیں ہے اور نہ ہی اعمال کو تولنے کے لئے اس کے پاس کوئی ایسا ترازو ہے جس کے ہم عادی ہیں بلکہ یہ سب قدرت و علم اور اعمال کی قدر و قیمت کے مفاہیم کی طرف اشارہ ہے۔

اس نکتہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ محکم اور متشابہ قرآن میں ایک اور مفہوم کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ ہود کے شروع میں ہے:

"کتاب احکمت ایٰتہ" اس آیت میں تمام آیات قرآن کو محکم کہا گیا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آیاتِ قرآن ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور باہم پیوستہ ہیں۔

سورہ الزمر آیہ ۲۳ میں ہے: **"کتاباً متشابھاً"** یعنی وہ کتاب کہ جس کی تمام آیات متشابہ ہیں

یہاں متشابہ سے مراد ہے کہ اس کتاب کی آیات درستی اور حقیقت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی مانند ہیں۔

محکم اور متشابہ کے بارے میں جو کچھ ہم نے کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی جاپائے حقیقت کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ وہ اپنے پروردگار کے ارشادات کو سمجھنے کے

لیے تمام آیات کو ایک جگہ رکھے اور اگر کچھ آیات کے ظواہر میں پہلی نظر میں کوئی ابہام یا پیچیدہ گی دے تو دوسری آیات کو سامنے رکھتے ہوئے اسے دور کرے اور اس طرح ان آیات کی حقیقت.بڑی شاہراہوں کی مثل ہیں اور متشابہات ذیلی اور چھوٹے راستوں کی مانند ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر انسان کبھی چھوٹے اور ذیلی راستوں کے بارے میں حیران و سر گردان ہوں تو وہ کوشش کرتا ہے کہ وہ پہلے شاہراہ تک پہنچ جائے اور وہاں سے اپنے راستے کا پھر سے صحیح طریقے سے تعین کرلے۔

محکمات کو ام الکتاب قرار دینا بھی اس حقیقت کی تائید کرتا ہے کیونکہ لفظ "ام" لغت میں ہر چیز کی اصل اور اساس کے معنی میں ہے ماں کو ام کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ خاندان کی جڑ ہوتی ہے اور حوادث و مشکلات میں وہی اولاد کی پناہ گاہ بھی ہوتی ہے۔اس لئے محکمات دیگر آیات کے لیے اساس، جڑ اور ماں کی حیثیت رکھتی ہیں

اس کے باوجود کہ قرآن نور، روشنی اور حق ہے، ایک واضح کلام ہے اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔

اس میں متشابہ آیات کیوں ہیں؟ اور بعض آیات کے مفاہیم ایسے پیچیدہ کیوں ہیں کہ فتنہ انگیز لوگوں کے لئے غلط مقاصد کے حصول کا سبب بنتے ہیں۔

یہ موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے اور گہرے غور وفر کا مقتضی ہے۔ ہو سکتا ہے مجموعی طور پر مندرجہ ذیل وجوہات قرآن میں آیات متشابہات کا سبب اور راز ہوں۔

(i) انسانوں کی گفتگو میں استعمال ہونے والے الفاظ اور جملے روز مرّہ کی ضروریات کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے جب ہم انسان کی محدود مادی زندگی کے دائرے سے باہر نکلیں اور مثلاً خالق کائنات کے بارے میں گفتگو کریں جو ہر جہت سے لامحدود ہے تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارے الفاظ ان معانی کے لئے سانچے اور قالب کا کام نہیں دیتے تاہم وہی الفاظ استعمال کرنے پر مجبور ہیں اگر چہ یہ الفاظ مختلف پہلوؤں سے ناقابل اور نارسا ہیں۔ الفاظ کی ہی نارسائی متشابہاتِ قرآن کے اہم حصّے کا سر چشمہ ہے۔

سمیع و بصیر جیسی تعبیرات بھی اسی قبیل سے ہیں۔ ان کی تفسیر آیات محکمات کی طرف رجوع کرنے سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

(ii) بہت سے حقائق دوسرے جہان یا عالم ماوائے طبیعت سے مربوط ہیں۔ یہ حقائق ہماری فکر و نظر کے افق سے دور ہیں زمان و مکان کی قید میں محدود ہونے کی وجہ سے ہم ان کی گہرائی کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمارے افکار کی نارسائی اور ان معانی کے افق کی بلندی بعض آیات کے متشابہ ہونے کا دوسرا سبب ہے۔ اس کی مثال بعض وہ آیات ہیں جن کا تعلق قیامت وغیرہ سے ہے۔

یہ بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی بچے کو عالم جنین میں اس دنیا کے حالات بتانا چاہے۔ اگر بات نہ کرسکے تو بڑی کوتاہی ہے اور اگر کچھ کہے تو مجبوراً مطالب کو سر بستہ اور جمالی صورت میں ادا کرے گا۔ کیونکہ سننے والا اس حالت میں زیادہ استعداد نہیں رکھتا۔

(iii) قرآن میں متشابہات کا ایک مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی فکر و نظر کو زیادہ سے زیادہ لایا جائے اور فکری تحرک پیدا ہو۔ ہمیشہ پیچیدہ فکری مسائل مفکرین کے افکار کی تقویت کے لئے

پیش کیے جاتے ہیں تا کہ وہ مسائل کے حل کے لئے زیادہ سے زیادہ تفکر و تدبر اور تحقیق و جستجو سے کام لے سکیں۔

ایک اور نکتہ جو قرآن میں متشابہات کی موجودگی کے لئے ہے اور اہل بیت علیہم السلام کی روایات بھی جس کی تائید کرتی ہیں یہ ہے کہ قرآن میں ایسی آیات خدائی پیشواؤں، پیغمبر اکرم اور ان کے اوصیاء کی شدید احتیاج کو واضح کرتی ہیں اور یہ اس طرح ہیں یہ ہے کہ احتیاج علمی لوگوں کو مجبور کرے گی کہ وہ ان کی جستجو اور تلاش کریں اور عملی طور پر ان کی رہبری تسلیم کریں۔ اس طرح دیگر علوم اور دیگر مشکلات بھی انہیں سے راہنمائی حاصل کریں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے درسی کتب میں کچھ مسائل کی تشریح معلم اور استاز کے ذمے کی جاتی ہے تا کہ طالب علم استاد سے اپنا رابطہ منقطع نہ کرلے اور یوں اس ضرورت کے ماتحت تمام چیزوں میں اس کے افکار سے راہنمائی حاصل کرے۔ در حقیقت ایسی روایات قرآن کے بارے میں پیغمبر اسلام کی مشہور وصیّت کا مصداق ہیں:

"انّی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و اھل بیتی و انھما لن یفترقا حتّیٰ یرد علیّ الحوض"۔

"یعنی میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں خدا کی کتاب اور اپنے اہل بیت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ قیامت کے دن کوثر کے کنارے مجھ تک پہنچیں گے ("مستدرک حاکم" جلد سوم، صفحہ ۱۴۸")

قرآن کی آیات دو قسم کی ہیں:

ا۔ ایک وہ کہ جن کا مفہوم اس طرح مفہوم واضح اور روشن ہے کہ ان سے کسی قسم کے انکار، ان کی توجیہ اور ان سے غلط فائدہ اٹھانے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ انہیں محکمات کہتے ہیں۔

دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن کے مطالب کی سطح بلند ہے یا ان میں ایسے عوالم کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے کہ جو ہماری دسترس کے باہر ہیں مثلاً عالم غیب، جہانِ حشر و نشر اور صفاتِ خدا وغیرہ۔ ان آیات کا حقیقی معنی، اسرار اور ان کی کنہ حقیقت کا ادراک مخصوص علمی سرمائے کا محتاج ہے، انہیں متشابہات کہتے ہیں

منحرف اور کج رو افراد عموماً کوشش کرتے ہیں کہ آیات متشابہات سے غلط مقصد حاصل کریں ان کی خلاف حق تفسیر کریں تاکہ لوگوں مین فتنہ انگیزی کریں اور انہیں راہ حق سے گمراہ کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور راسخین فی العلم ان آیات کے اسرار کو جانتے ہیں اور لوگوں کے سامنے ان کی تشریح کرتے ہیں۔ وہ اپنے وسیع علم کی روشنی میں آیات متشابہات کا آیات محکمات کی طرح ادراک کرتے ہیں اور اس بناء پر سب کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام آیات ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں کیونکہ سب آیات چاہے محکم ہوں یا متشابہ ان کے علم و دانش کے سامنے واضح اور روشن ہیں۔

''یقولون اٰمنّا بہ کلّ مّن عند نا ربّنا''۔

علم میں راسخ ہونا سبب بنتا ہے کہ انسان اسرارِ قرآن سے زیادہ سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے البتہ جو علم و دانش کے لحاظ سے پہلے درجے پر فائز ہیں، یعنی پیغمبر اکرم اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام، تو وہ تمام اسرار سے آگاہ ہیں جب کہ باقی ہوگ اپنے علم و فضل کی مقدار کے برابر میں سے کچھ

چیزیں جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ علماء بھی خدا کے بھیجے ہوئے معلّمین سے اسرارِ قرآن حاصل کرنے کے درے پے رہتے ہیں۔

''**وما یذکر الاّ اولوا الباب**''۔

یہ جملہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان حقائق کو صرف صاحبانِ عقل و خرد اور اہل فکر و نظر ہی کانتے ہیں۔ یہی لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں محکم و متشابہ آیات کیوں موجود ہیں اور یہی لوگ سمجھتے ہیں کہ آیات متشابہ کو محکم آیات کے سامنے رکھ کر معانی معلوم کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے امام علی بن موسیٰ علیہما السلام سے منقول ہے، آپ (ع) نے فرمایا:

''**من ردّ متشابہ القرآن الیٰ محکمة ھدیً الیٰ صراطٍ مستقیم**''۔

جو شخص آیات متشابہ کو آیات محکم کی طرف پلٹاتا ہے اس نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت حاصل کی ہے۔

(تفسیر صالحہ، آیہ محل کے ذیل میں)

رَبَّنَا لاَتُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لاَرَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللهَ لاَيُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔

ترجمہ

(راسخین فی العلم کہتے ہیں) پالنے والے ہمارے دلوں کو سیدھے رہنے کی ہدایت کے بعد منحرف نہ کردے اوراپنی طرف سے ہم پر رحمت فرما کیونکہ توہی بخشنے والا ہے۔

اے ہمارے پروردگار ! تولوگوں کواس دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک وترڈد نہیں ہے کیونکہ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، ہم تجھ پر، تیری رحمت بے پایاں پر اور حشر و نشراور قیامت کے وعدے پرایمان رکھتے ہیں)۔

ممکن ہے کہ آیات متشابہ اور ان کے حقیقی اسرار و رموز لوگوں کے لئے مقام لغزش ہوجائیں لہٰذااہل ایمان، راسخین فی العلم اور صاحبانِ فکر و نظرآیات کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اپنی علمی سرمائے سے کام لینے کے علاوہ اپنے خدا کی پناہ اور بہارا بھی حاصل کرتے ہیں اور یہ دونوں آیات جو راسخون فی العلم کی زبان سے نقل ہوئی ہیں اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ علم میں راسخ، آگاہ اور فکر و نظر کے حامل لوگ ہمیشہ اپنے قلب و روح کی حفاظت کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ ٹیڑھے راستوں کی طرف مائل نہ ہوں اور وہ اس راہ میں خدا سے مدد طلب کرتے ہیں کیونکہ بہت سے لوگ علمی غرور تکبر کے باعث شکست سے ہمکنار ہوگئے ہیں اور کج راستوں میں سر گرداں ہیں وہ خالق کی عظمت، اپنی خلقت اور کم علمی کو فراموش کر بیٹھے ہیں اور اپنے پروردگار کی ہدایت سے محروم ہوگئے ہیں۔ لیکن اہل ایمان اور صاحبان اور صاحبان فکر و نظر کہتے ہیں

”رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا“

علاوہ ازیں افکار و نظریات کو کنٹرول کرنے کے لئے معاد اور قیامت کے اعتقاد سے بڑھ کر کوئی چیز موئثر نہیں راسخین فی العلم مبداء و معاد کے عقیدے کے ذریعے اپنے افکار کو اعتدال پر رکھتے ہیں۔ وہ حد سے گزرے ہوئے رجحانات اور جذبات سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ یہ

لغزش کا سبب بنتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک درست اور بے رحم مزاحم فکر و نظر کے ذریعے صحیح راستے کو دیکھتے ہیں اور اس پر چلتے ہیں۔

ہاں ایسے ہی افراد آیاتِ الٰہی سے مکمل طور پر استفادہ کر سکتے ہیں۔

۴: حکمت وجود متشابہات؛

متشابہ آیات کی وجہ سے فہم قرآن میں غلطی واقع ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اس وجہ سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن میں ان آیات کے ہونے کا کیا فائدہ ہے؟ اس سوال کے کئی جوابات دیئے گئے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

متکلمین کی ایک جماعت اس کی معتقد ہے کہ آیات متشابہات قرآن میں عمیق تر اور بیشتر دقت کے مواقع فراہم کرتی ہیں چونکہ ضرورت کے وقت علما سے رجوع اور عقل کے استعمال سے متوجہ ہوتا ہے کہ تشابہ میں کوئی مطلب موجود ہے

بعض عرفا معتقد ہیں کہ چونکہ سالکان الی اللہ کے احوال اور درجات مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض مقام طبیعت سے گزر کر مقام نفس پر پہنچ گئے ہیں اور بعض مقام نفس سے گزر کر مرتبۂ عقل و اس کی امثال حاصل کر چکے ہیں۔ قرآن کی آیات انسانوں کی معرفت کے درجات اور مراحل نفس کے مطابق نازل ہوئی ہیں۔

فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن کے مخاطبین میں لوگ بھی شامل ہیں کہ جو غیر عوالم مادی سے بے خبر ہیں لہٰذا ابتدائی طور پر آیات میں خدا کی طرف جسمانی اوصاف اور اعراض کی نسبت دی گئی اور ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو وہم اور خیال کے عالَم سے مناسب ہیں ان

سے استفادہ کیا گیا ہے پھر انکے ہمراہ محکمات کے عنوان سے آیات ہیں جو واقعیت امر کو بیان کرتی ہیں۔ اس طرح عام لوگ آہستہ آہستہ موجودِ مختصات اولی سے ایسے موجود کی طرف منتول ہوتے ہیں جو صفات امکانی سے مبرّا ہوتا ہے

۵: متشابہ آیات میں تفسیری روش

متشابہ آیات کی تفسیر کرنے میں مفسرین کی روشیں مختلف ہیں۔ ملا صدرا نے چار تفسیری روشیں بیان کی ہیں

اہل لغت، اصحاب حدیث اور حنابلہ کا مسلک: یہ گروہ قائل ہیں کہ متشابہ الفاظ کو ظاہری معنا پر حمل کرنا چاہئے۔ ظاہری معنا سے تخلف کرنا حتا کہ اگرچہ وہ قواعد عقلیہ کے ہی کیوں مخالف نہ ہو جائز نہیں ہے۔ پس اس روش کے مطابق ان میں کسی قسم کی تاویل جائز نہیں ہے۔

محققین اور اکثر معتزلہ: یہ گروہ متشابہ الفاظ کی تاویل عقلی قواعد کے موافق کرتا ہے۔ ان کا مبنا خداوند کریم سے صفات امکانی اور نقص کی تنزیہ کرنا ہے۔

اکثر اشاعرہ اور بعض معتزلہ: یہ تفصیل کے قائل ہیں۔ بعض آیات و اخبار کی نسبت تنزیہی روش اپناتے ہیں اور بعض میں روش تشبیہ و تنزیل اختیار کرتے ہیں۔ جو کچھ معاد سے مربوط ہے اس میں ظاہری معنا ہی مراد لیتے ہیں اور تشبیہ کے قائل ہیں۔

۶: آیاتِ محکمات اور آیاتِ متشابہات کونسی ہیں؟

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ

وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۷)

ترجمہ: اللہ کی ذات نے جو آپ کے اوپر کتاب نازل فرمائی ہے۔ اُن میں سے کچھ آیات بلکل محکم یعنی صاف صاف ہیں اور وہی آیات ہیں جو لوح محفوظ یعنی اُم الکتاب سے آئی ہیں۔ اور جو باقی آیات ہیں اُن میں کچھ متشابہات ہیں اور وہ لوگ جن کے قلب سکڑ گئے ہیں پھر وہ یہ ڈھونڈنے میں لگے رہتے ہیں کہ ان آیتوں میں جو تشبیہ دی گئی ہے وہ کیا ہے؟ تاکہ قرآن کی ان آیتوں سے کوئی فتنہ ڈھونڈیں اور تلاش میں ہوتے ہیں کہ اُس کی تاویل ملے۔ لیکن اُن کے پاس تاویل یعنی باطنی تفسیر کا علم کہاں ہے وہ تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ اور وہ جن کی روحوں میں علم راسخ ہو گیا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی طرف سے ہے لیکن اس سے فیض صرف اُن کو ملے گا جو اولوالالباب ہوں گے۔

سورۃ آل عمران میں آیات محکمات اور آیات متشابہات کا ذکر آیا ہے اس آیت کی باطنی تشریح سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ اُم الکتاب کیا ہے اور علم لدنی کیا ہے تاکہ اس کی تشریح سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

۷: اُم الکتاب کسے کہتے ہیں؟

جتنی بھی کتابیں مختلف مرسلین پر نازل ہوئی ہیں وہ ساری لوح محفوظ میں تھیں جبرائیل امین وہیں سے لے کر آتے ہیں۔ لوح محفوظ کو ہی اُم الکتاب کہا گیا ہے کیونکہ ساری آسمانی کتب توریت، زبور، انجیل اور قرآن یہیں سے آئی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باقی جو آیات

ہیں جو اُم الکتاب کے علاوہ آئیں ہیں وہ کہاں سے آئی ہیں؟ وہ آیات کچھ جثہ طفل نوری اور کچھ جثہ توفیق الٰہی کی طرف سے آئی ہیں۔اب جثہ توفیق الٰہی اللہ کے کسی عاشق یا سلطان الفقراء کے جسم میں ہوتا ہے اور اُس جسم کے ہاتھ پاؤں بھی ہوتے ہیں اور آنکھیں بھی ہوتی ہیں۔وہ آیتیں جو جثہّ توفیق الٰہی یا طفل نوری کی طرف سے آئیں ہیں اُن میں ہاتھوں اور نظروں کا ذکر موجود ہے کیونکہ جو آیتیں بھیج رہا ہے اس کا بھی وجود ہے اور یہ آیات لوح محفوظ سے نہیں آئی ہیں کیونکہ یہ خاص علم کی باتیں ہیں اور لوح محفوظ پر عام علم کی باتیں ہیں۔

۸: علم لدنی کیا ہے؟

جو علم وحی الٰہی کے ذریعے آیا وہ لوح محفوظ سے آیا ہے اور جو علم لدنی ہے وہ لوح محفوظ سے نہیں آیا بلکہ اللہ خود عطا کرتا ہے۔ سوائے قرآن کے کوئی بھی کتاب خواہ وہ توریت، زبور یا انجیل ہو ایسی نہیں ہے جس میں لوح محفوظ سے آیا علم اور علم لدنی دونوں ملا ہوا ہو لیکن قرآن مجید کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ قرآن مجید میں لوح محفوظ سے آئی ہوئی آیتیں بھی ہیں اور حضور ﷺ کو اللہ نے جو علم لدنی عطا فرمایا وہ علم بھی قرآن کا حصّہ بن گیا۔

ہُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ اللہ کی ذات نے جو آپ کے اوپر کتاب نازل فرمائی ہے۔ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ اُن میں سے کچھ آیات بلکل محکم یعنی صاف صاف ہیں۔ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ اور وہی آیات ہیں جو لوح محفوظ یعنی اُم الکتاب سے آئی ہیں۔

۹: آیات متشابہات کیا ہیں؟

وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ اور جو باقی آیات ہیں اُن میں کچھ متشابہات ہیں۔ یعنی ایسی آیات جس میں جسم کی تشبیہ دی گئی ہو وہ متشابہات کہلاتی ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے

ا: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ جو مٹی آپ نے پھینکی وہ آپ کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ میرا ہاتھ تھا۔

پھر حدیث قدسی بھی ہے کہ جو اللہ کے وصل تک پہنچ جاتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اُس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ تو یہ حدیث قدسی باطنی علم کی باتیں ہیں جبکہ قرآن مجید میں کہا گیا کہ یارسول اللہ یہ تیرا نہیں بلکہ میرا ہاتھ ہے۔ اس طرح کی آیات کو ہمارے علماء نے آیات متشابہات کہا ہے جس میں تشبیہ دی گئی ہے لیکن یہی بات حدیث میں خاص علم کے حوالے سے پائی جاتی ہے جو کہ اس بات کی صداقت کو ثابت کرتی ہے کہ جو قرآن میں ہاتھ بن جانے والی بات ہے اس کا بیک گراؤنڈ کوئی شکوک و شبہات پیدا کرنے والی آیت سے نہیں ہے بلکہ اُس کے پیچھے وہ علم لدنی کارفرما ہے جس کے ذریعے انسان میں رب کا بسیرا ہو جاتا ہے۔ اُس علم کی طرف اشارہ ہے جسکے ذریعے رب انسان کے ہاتھوں میں، اُس کے پیروں میں، اُس کے سر، اُس کی آنکھوں میں اور اُس کی زبان میں داخل ہو جاتا ہے۔ ایک تشابہات ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں ظاہری معنی ہوتے ہیں جیسے قرآن میں اللہ نے فرمایا قل انما بشر مثلکم ۔۔ اے محمد کہہ دیجئے ہم نے آپ کو مثالی بشر کی طرح بنایا ہے۔ جیسے مثال کے طور پر ایک اصل سونا ہوتا ہے ایک دوسری دھات کا بنا ہوتا ہے اور اس کے اوپر طلائی کروا دیتے ہیں یعنی سونے کا پانی چڑھا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بھی سونے کا لگتا ہے۔ لیکن جو اصل سونا ہے وہ تو معناً اور اصلاً سونا ہی ہے۔ دوسرا جو ظاہراً سونا دکھتا ہے لیکن کسی اور دھات کا بنا ہوا ہے اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی بھی حقیقت ہے کہ آپ کو مثالی بشر کے طور بنا کر بھیجا گیا ہے انسانوں کی طرح ہی نظر آتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ انسانوں کو مٹی سے بنایا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ سراپا نور ہیں۔

کبھی یہ نہ سوچنا کہ محمد الرسول اللہ تمھاری طرح بشر ہیں، صرف شکل و صورت تمھاری مثال پر ہے لیکن اُنکی فطرت نور ہے۔ اسطرح کی جو آیتیں قرآن میں آئیں وہ متشابہات کہلائیں۔

۲: فَاَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ اور وہ لوگ جن کے قلب سکڑ گئے ہیں۔

یہاں ذیغ کو باطنی طور پر سمجھنا بڑا ضروری ہے۔ جب اسم ذات اللہ قلب میں داخل ہوتا ہے تو نرمی پیدا ہوتی ہے اور جب قلب میں اسم ذات اللہ داخل نہ ہو تو دل میں سختی ہوتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ مخلوق لطیفہ قلب سکڑ کر چھوٹا سا ہو جاتا ہے۔ یعنی قلب میں اللہ کا نور آئے تو کشادگی آجاتی ہے اور جب اللہ کا نور نہ ہو تو تنگ ہو جائے گا۔

۳: فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ پھر وہ یہ ڈھونڈنے میں لگے رہتے ہیں کہ ان آیتوں میں جو تشبیہ دی گئ ہے وہ کیا ہے ؟

۴: مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ تاکہ قرآن کی ان آیتوں سے کوئی فتنہ ڈھونڈیں ۔

۵: وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ اور تلاش میں ہوتے ہیں کہ اس کی تاویل ملے ۔

۶: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ان کے پاس تاویل یعنی باطنی تفسیر کا علم کہاں ہے وہ تو صرف اللہ کے پاس ہے ۔اور اللہ جس کو چاہے گا اس کو عطا کر دے گا۔

۷: وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ اور وہ جن کی روحوں میں علم راسخ ہو گیا۔

۸: يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ یہ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

۹: وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ لیکن اس سے فیض صرف اُن کو ملے گا جو اولو الالباب ہوں گے ۔ اولو

الالباب وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے لطیفہ انا ّمیں عقل سلیم آگئی ہو۔اور لطیفہ نفس کا لطیفہ انا ّسے تعلق کٹ گیا ہو اُنکو تاویل سمجھ میں آئے گی۔

نتیجہ

قرآن مجید کی تاویل: ۱۰

علماء یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے لیکن قرآن مجید کی تاویل کا ذکر قرآن میں ہے اور اس حوالے سے ہے کہ اسکی تاویل صرف اللہ جانتا ہے اور جسکو بھی وہ تاویل ملے گی اللہ کی طرف سے ملے گی۔

راسخون فی العلم: اس کی توضیح یون بیان کرتا ہے: راسخون کشف و شہود اور اشراق باطن کے ذریعے متشابہات کے واقعیت اور حقیقت کو حاصل کر لیتے ہیں اور یہ لوگ صرف تنزیہ اور تشبیہ محض نیز ان کے درمیان خلط کرنے والوں سے محفوظ ہیں۔ متشابہات کی معانی کو کشف کرنا صرف باطنی نورانیت اور چراغ نبوت کے ذریعے امکان پذیر ہے۔ لہٰذا یہ انسان کو ظاہر گرائی اور تشبیہ اور تعطیل کی طرف لے کر جاتا اور نہ تأویل کے دام میں الجھاتا ہے۔

۱۱: متشابہات میں روش اہل بیت

عیون اخبار الرضا میں امام رضا (ع) سے مروی ہے

مَنْ رَدَّ مُتَشَابِہَ الْقُرْآنِ اِلَی مُحکَمِہٖ فَقَدْ ہُدِیَ اِلَی صِراطٍ مُسْتَقِیمٍ

(ترجمہ ہماری روایات میں قرآن کی مانند متشابہات موجود ہیں لہٰذا ہمارے کلام کو بھی محکمات کی طرف لوٹایا جائے۔

فِي أَخْبَارِنَا مُتَشَابِهٌ كَمُتَشَابِهِ الْقُرْآنِ فَرُدُّوا مُتَشَابِهَهَا إِلَى مُحْكَمِهَا وَ لَا تَتَّبِعُوا مُتَشَابِهَهَا دُونَ مُحْكَمِهَا فَتَضِلُّوا.

قابل غور بات یہ ہے کہ متشابہات سمیت تمام قرآن کے معانی حاصل کئے جا سکتے ہیں مگر محکمات کے سائے تلے انہیں حاصل کیا جائے۔ یہ چیز اس نظریے کے مخالف ہے کہ جو معتقد ہیں کہ متشابہ کے معانی صرف خدا ہی جانتا ہے۔ پس مکتب اہل بیت کے مطابق متشابہات کے مقابلے میں توقف نہیں ہے۔

۱۲: راسخون فی العلم؛

قرآن کے ماہرین نے محکم و متشابہ کے ذیل میں ایک یہ بحث کی ہے کہ سورۂ آل عمران کی ساتویں آیت

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا

(اللہ اور راسخون فی العلم کے علاوہ اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے وہ کہتے ہیں جو کچھ ہمارے پروردگار کی جانب سے ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔)

اگر اس آیت میں «وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ» کا عطف «وَ مَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ» کیا جائے تو اس کا معنا ہوگا کہ راسخون علم بھی تاویل سے آگاہ ہیں اور اگر اسے استیناف (نیا جملہ) قرار دیں اور

پہلے پر عطف نہ کریں تو اس کا معنا ہو کہ راسخون علم تاویل سے آگاہ نہیں ہونگے بلکہ وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور کہتے ہیں: آمَنّا بِہِ کُلٌّ مِنۡ عِندِ رَبِّنا

اکثر علمائے اہل سنت قائل ہیں کہ متشابہ آیات میں توقف کریں اور راسخون علم کا علم بھی یہاں منتہی ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ پرودگار کی جانب سے نازل ہوا ہم اس ایمان لاتے ہیں

اکثر شیعہ علما اور اہل سنت علما نے «الراسخون فی العلم» کا «اللہ» پر عطف کیا ہے قائل ہیں کہ وہ راسخون فی العلم تاویل سے آگاہ ہیں اور وہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر راسخون علم بھی دوسرے لوگوں کی مانند تاویل نہیں جانتے تو اللہ نے کیوں ان کی تمجید کی ہے۔ شیعہ حضرات بعض روایات کی بنا پر راسخون علم سے مراد اہل بیت لیتے ہیں۔